ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے

بچوں کا اسلام

۱۱۷۲

اتوار ۳ شعبان المعظم ۱۴۴۶ھ مطابق ۲ فروری ۲۰۲۵ء

پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

عدیل کا آئیڈیل

قیمت: ۴۰ روپے

aci
Blood Bgone
Blood Stain Remover
خون کے دھبے مٹانے کا واحد اسٹین ریموور
Imtiaz پر دستیاب ہے
LADIES WEAR | CLOTHING | BEDSHEETS | CARPETS / SOFA

القرآن

ہمیشہ زندہ رہنے کی امید

اور آپ انھیں حیات کا حریص اور لوگوں سے بڑھ کر پائیں گے اور مشرکین میں سے بھی ہر ایک اِس ہوس میں ہے کہ اس کی عمر ہزار برس کی ہو جائے اور یہ امر عذاب سے تو نہیں بچا سکتا کہ لمبی عمر مل جائے اور ان کے سب اعمال اللہ تعالیٰ کے پیشِ نظر ہیں۔

(سورۃ البقرہ: آیت 96)

الحدیث

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی امید

حضرت فضالۃ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے اللہ! جو شخص آپ پر صدقِ دل سے ایمان لائے اور میرے رسول اللہ ہونے کی گواہی دے تو آپ اس کے دل میں اپنی ملاقات کا شوق ڈال دیجیے۔ اس کے لیے موت آسان کر دیجیے اور اس کو دنیا کا سامان بقدرِ ضرورت فراہم کیجیے۔''

(طبرانی)

دستک: کہانی کہانی میں!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اس وقت ہمارے ہاتھ میں محترم بھائی حافظ عبدالرزاق خان کی تیسری کتاب 'عدیل کا آئیڈیل' ہے جو اِس بات کی روشن مثال ہے کہ تحقیق اور تخیل کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک شاہکار تخلیق کر سکتے ہیں......!

'کہانی' دراصل زندگی کے حقائق کو لطیف انداز میں پیش کرنے کی ایک ایسی صورت ہے جو دِلوں کو بھی چھو لیتی ہے، ذہنوں کو بھی جھنجھوڑ دیتی ہے، مگر کچھ اِس طرح کہ قاری کو ذرا بوجھ محسوس نہیں ہوتا۔ ''عدیل کا آئیڈیل'' ایسی ہی کہانیوں کا مجموعہ ہے، جو نہ صرف ادبیت کے اعلیٰ معیار پر پورا اترتی ہیں بلکہ کہانی کہانی میں نوعمر قاری کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔

یوں تو یہ کہانیاں نوعمر قارئین کے لیے لکھی گئی ہیں، لیکن دراصل یہ کہانیاں ہر عمر کے افراد کو روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے کئی بظاہر مباح نظر آنے والے معاملات پر دینی واخلاقی اعتبار سے غور کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔

''عدیل کا آئیڈیل'' میں شامل کہانیاں، اگرچہ پندرہ برس کے طویل دورانیے میں 'بچوں کا اسلام' میں لکھی گئیں مگر ہر کہانی میں حافظ بھائی کے قلم کی وہی مخصوص چھاپ، اُن کا وہی شگفتہ اسلوب جوبن پر محسوس ہوتا ہے، جس سے اُن کے دیرینہ قارئین بخوبی مانوس ہیں۔

یہ دراصل موضوعی کہانیاں ہیں، جو عموماً دلچسپی سے خالی ہوتی ہیں، مگر اِس کتاب میں موجود کہانیاں ایسی نہیں بلکہ ایک مخصوص موضوع کو کہانی کے دسترخوان پر اتنے سلیقے سے چنا گیا ہے کہ کہانیاں بوجھل ہونے کے بجائے دلچسپ محسوس ہوتی ہیں۔ اپنے موضوع پر رہتے ہوئے زبان کی چاشنی اور ادبی حسن کے ساتھ حافظ بھائی کی کہانی اِس روانی سے آگے بڑھتی ہے کہ قاری کہیں بھی کہانی سے جدا نہیں ہو پاتا۔ دلچسپ پلاٹ، شگفتہ زبان اور اخلاقی سبق کا امتزاج قاری کو کہانی کے انجام تک جکڑے رکھتا ہے، اور یہ دراصل اِس لیے ہوا کہ کہانیوں میں سادگی اور گہرائی کا حسین امتزاج تو ہے ہی، دلچسپ پلاٹ، دلکش منظر نگاری اور کرداروں کے زندگی سے بھرپور مکالمے بھی موجود ہیں۔

اِن کہانیوں کے ذریعے حافظ بھائی بچوں اور نوجوانوں کو کھیلوں کی شرعی واخلاقی حیثیت، اُن کے مثبت اور منفی پہلو اور ان کی زندگی پر اثرات کے بارے میں غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں۔

یہ کہانیاں کھیلوں کے اسلامی تعلیمات کے مطابق جائز اور ناجائز پہلوؤں کو بڑے مہذب اور دلنشین انداز میں بیان کرتی ہیں۔ یہ بتاتی ہیں کہ بلاشبہ کھیل اور تفریح ہر انسان کی فطری ضرورت ہیں، مگر ان کا دائرہ اخلاقیات اور شریعت کے تابع رہنا چاہیے۔ ہمارے کہانی کار نے کھیلوں کو صرف جسمانی مشغلہ سمجھنے کے بجائے اسے ایک تربیتی میدان قرار دیا ہے، جہاں نہ صرف جسمانی صلاحیتوں کا امتحان ہوتا ہے بلکہ انسان کے اخلاقی اصول اور دینی اقدار بھی آزمائے جاتے ہیں۔

کہانیوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ، اسلامی تعلیمات اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واقعات کو اِس خوبصورت اور دلچسپ انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ ہمارے کم سن قاری کا وعظ ونصیحت سے بدکتا اور کھیل کہانی سے بہلتا ہوا نوخیز ذہن بڑی خوشی سے حاصل شدہ اسباق کو اپنی زندگی کا حصہ بنانے پر آمادہ ہوتا ہے مثلاً ایک کہانی ''عدیل کا آئیڈیل'' کہانی تو اسی شمارے میں پڑھیے (جس سے یہ کتاب معنون بھی ہے) اور دیکھیے کہ کس خوبصورتی سے اس کہانی کا تانا بانا بُنا گیا ہے!

کہانیوں میں مزاح اور دلکشی کا پہلو نمایاں ہے، لیکن بین السطور اخلاقیات کا درس بڑی مہارت سے پوشیدہ ہے۔ مثلاً کہانی ''ابوعمیر، انغیر پیلیس'' میں بچوں کی معصوم خواہشات اور والدین کی تربیتی بصیرت کو انتہائی خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ ''یہ ہے تیراکی'' دوستی، ہمت، اور تعلیمی جدوجہد کی ایک دلکش داستان ہے۔ یہ نہ صرف ایک دلچسپ قصہ ہے بلکہ کہانی میں تیراکی جیسے کھیل کو دینی اور عملی تربیت کے حوالے سے اجاگر کیا گیا ہے۔ مصنف نے زوہیر کے کردار کے ذریعے یہ سبق دیا ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کھیل صرف تفریح کا ذریعہ نہیں بلکہ جسمانی اور روحانی طور پر خود کو مضبوط بنانے کا ذریعہ ہے۔ جبکہ ''ماضی کے دریچوں سے'' قاری کو اپنی جڑوں سے جوڑتی ہوئی کہانی ہے۔

بلاشبہ یہ کتاب بچوں کے ادب میں ایک منفرد اور قیمتی اضافہ ہے، جو ان شاء اللہ تعالیٰ والدین، اساتذہ اور بچوں سب کے لیے یکساں مفید ثابت ہوگی۔

حافظ بھائی جان کے لیے بہت دعائیں کہ اللہ رب العزت ان کی اس معنوی اولاد میں اضافہ فرماتا رہے، آمین!

کتاب منگوانے کے لیے اس نمبر (03424198208) پر اپنا مکمل پتا واٹس ایپ کیجیے۔ کتاب آپ کو بھیج دی جائے گی۔ کتاب مل جائے تو اسی نمبر پر ۷۰۰ روپے ایزی پیسہ یا موبی کیش کر دیجیے گا۔

سلامت رہیں!

والسلام

محمد فیصل شہزاد

رضا الدین صدیقی

جگر گوشہ رسول

یہ تقریباً چودہ سو سال پہلے کی بات ہے۔ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ قبیلہ بنوسلیم کا ایک ضعیف آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کرتا ہے۔ آپؐ انھیں اسلام کے بنیادی احکامات اور مسائل کی تعلیم دیتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں۔

’’کیا تمھارے پاس کچھ مال بھی ہے؟‘‘

وہ ضعیف نومسلم عرض کرتے ہیں یارسول اللہ! قسم ہے اللہ کی، بنوسلیم کے تین ہزار آدمیوں میں سب سے زیادہ غریب میں ہی ہوں۔‘‘

حضور نے اپنے اصحاب کی جانب دیکھا اور فرمایا:

’’تم میں سے کون اس مسکین کی مدد کرے گا؟‘‘

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُٹھے اور کہا:

’’اے اللہ کے رسولؐ میرے پاس ایک اونٹنی ہے جو میں اس کو دیتا ہوں۔‘‘

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

’’تم میں سے کون ہے جو اس کا سر ڈھانک دے؟‘‘

سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُٹھے اور اپنا عمامہ اُتار کر نومسلم کے سر پر رکھ دیا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

’’کون ہے جو اس کی خوراک کا بندوبست کرے؟‘‘

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُٹھے ان صاحب کو ساتھ لیا اور ان کی خوراک کا انتظام کرنے لگے۔ چند گھروں سے دریافت کیا، لیکن وہاں سے کچھ نہ ملا۔

آخر سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر دستک دی۔

سیدہ نے پوچھا: ’’کون ہے؟‘‘

حضرت سلمان نے مدعا بیان کیا اور التجا کی: ’’اے رسول خدا کی بیٹی! اس مسکین کی خوراک کا بندوبست کیجیے۔‘‘

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آبدیدہ ہوکر فرمایا: ’’اے سلمان! خدا کی قسم، آج سب کو تیسرا فاقہ ہے۔ دونوں بچے بھوکے سوئے ہیں، لیکن سائل کو خالی ہاتھ نہ جانے دوں گی جاؤ یہ میری چادر شمعون یہودی کے پاس لے جاؤ اور اُس سے کہو کہ فاطمہ بنت محمدؐ کی یہ چادر رکھ لو اور اس کے بدلے اس مسکین کو کچھ اناج دے دو۔‘‘

حضرت سلمان نومسلم بزرگ کو ساتھ لے کر شمعون کے پاس پہنچے اور اُس سے تمام کیفیت بیان کی۔ وہ حیران رہ گیا، اُس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ سیدہ عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاکیزہ کردار کا اُس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ بے اختیار پکار اُٹھا:

’’خدا کی قسم! یہ وہی لوگ ہیں جن کی خبر توریت میں دی گئی ہے۔ تم گواہ رہنا کہ میں فاطمہ کے باپ پر ایمان لایا۔‘‘

اُس کے بعد کچھ غلہ حضرت سلمان کو دیا اور پھر چادر بھی سیدہ فاطمہ کو واپس کردی۔

حضرت سلمان واپس آئے اور اناج لاکر حضرت فاطمہ کو دیا۔ آپ نے جلدی سے اناج پیسا اور روٹیاں پکا کر حضرت سلمان کو دیں۔

حضرت سلمانؓ نے کہا کہ بچوں کے لیے بھی کچھ رکھ لیجیے تو ایثار وسخاوت کی اس پیکر نے جواب دیا:

’’جو چیزیں میں راہ خدا میں دے چکی ہوں وہ میرے بچوں کے لیے جائز نہیں۔‘‘

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ روٹیاں لے کر دوبارہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ روٹیاں اُس بوڑھے نومسلم کو دیں اور خود اپنی پیاری بیٹی کے گھر آگئے۔ ان کے سر پر اپنا دست شفقت پھیرا، آسمان کی طرف دیکھا اور یہ دعا کی۔

’’اے اللہ! فاطمہ تیری کنیز ہے اس سے راضی رہنا۔‘‘

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا جگر گوشہ رسول، سیدۃ النساء کی سیرت وکردار کی صورت دنیا میں پوری ہوئی اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

’’اے فاطمہؓ تم جنت میں عورتوں کی سردار ہوگی۔‘‘ (تذکار صحابیات)

لڑھکتے کو ہینڈل کا سہارا

۱۹۵۳ء میں کلیٹن نامی ایک شخص کے ساتھ عجیب واقعہ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ اس نے پھاٹک خالی دیکھ کر اپنی گاڑی پٹری سے پار کرنا چاہی کہ اچانک ایک ریل گاڑی نمودار ہوئی اور اس کی گاڑی کو اڑاتے ہوئے چلی گئی۔ اب کلیٹن اپنی لڑھک کر دور جاتی ہوئی گاڑی میں ہینڈل سے چمٹ کر بیٹھ گیا۔ جب گاڑی قلابازیاں کھانے کے بعد رکی تو مکمل تباہ ہوچکی تھی البتہ وہ شخص اپنے ہینڈل کے ساتھ محفوظ رہا۔

(مرسلہ: سلیم احمد)

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 2000 روپے بیرون ملک ایک میگزین 25000 روپے دو میگزین 28000 روپے انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

''پرسوں آخری پرچہ ہے۔ آپ کل ہی یہ اعلان نوٹس بورڈ پر لگوا دیں۔ امید ہے اس کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے۔''

پرنسپل صاحب نے پر امید لہجے میں کہا اور میٹنگ برخاست ہوگئی۔

پروفیسر زفر صاحب اور ڈی۔ پی۔ ای شوکت رحمن صاحب (ڈائریکٹر فزیکل ایجوکیشن) پرنسپل کے دفتر سے نکل کر اسٹاف روم میں آبیٹھے۔ باورچی نے چائے پیش کی۔

''لڑکوں کا چناؤ کرنا، ان کی ٹیمیں تشکیل دینا، مقابلے کرانا آپ کے ذمے ہے۔'' پروفیسر زفر صاحب نے سارا بوجھ ڈی۔ پی۔ ای صاحب کے کندھوں پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے جناب! کوئی مسئلہ نہیں، مگر ساری تحریری کارروائیاں اور نتائج کی ترتیب آپ کے ذمے ہوگی۔''

شوکت رحمن صاحب جھکے۔

''بے فکر ہوجایئے سر! یہ تو ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔''

پروفیسر زفر صاحب نے چٹکی بجائی۔

......☆......

سارے طلبہ نوٹس بورڈ کے اردگرد جمع تھے۔ سال بھر میں پہلی بار ایسی کسی تفریحی سرگرمی کی خبر انھیں ملی تھی۔ اکثر کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ البتہ چند لڑکوں نے نوٹس بورڈ پر اچٹتی سی نظر ڈالی اور یہ کہہ کر مسکرا دیے تھے کہ کالج انتظامیہ کو کھیل میلہ کی کیا سوجھی؟ سالانہ امتحانات قریب ہیں اور یہ بچوں کو کھیلوں کی طرف راغب کرکے ان کا وقت برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ کچھ لڑکے ایسے بھی تھے جنھیں نہ کھیلوں سے کوئی دلچسپی تھی نہ تعلیم سے۔ یہ موبائل کے رسیا لڑکے تھے جو کالج کو ''حوالات ثانی'' کا نام دیتے تھے۔ کیوں کہ وزارتِ تعلیم کے احکامات کی پیروی کرتے ہوئے پرنسپل صاحب نے کالج میں موبائل فون لانے پر مکمل پابندی عائد کر رکھی تھی۔

......☆......

''کرکٹ کے لیے 48 نام آئے ہیں اور ہاکی کے لیے بمشکل بیس نام، جب کہ ڈسک تھرو اور شاٹ پٹ کے لیے چھ چھ نام۔ رسہ کشی کے لیے چار ٹیمیں بن گئی ہیں۔ ہر ٹیم میں دس دس لڑکے رکھے ہیں اور دو دو پروفیسر صاحبان۔ واہ کیا مزہ آئے گا!''

ڈی۔ پی۔ ای صاحب نے تفصیل بتائی تو پرنسپل صاحب نے قدرے حیرانی سے پوچھا: ''اور وہ دوڑ (Race) کا کیا بنا؟''

''اوہ سر جی! یہ تو میں بتانا ہی بھول گیا۔ دوڑ کے لیے صرف فرسٹ ائیر کے ایک طالب علم عادل خان کا نام آیا ہے۔'' ڈی۔ پی۔ ای صاحب نے بتایا۔

''تو اس ایونٹ کا پھر کیا بنے گا؟''

''اس کا حل ہم نے یہ سوچا ہے کہ اس ایونٹ کو کھیل میلے کے آخری آئٹم کے طور پر رکھتے ہیں۔ اس وقت اعلان کریں گے، جو بھی ریس میں حصہ لینا چاہے گا، اسے اجازت ہوگی۔''

ڈی۔ پی۔ ای صاحب نے حل بتایا تو پرنسپل صاحب نے خوش ہو کر کہا:

''اگر ایسا ہے تو پھر ہماری طرف سے بھی اس وقت ایک خاص اعلان کیا جائے گا۔''

''اوہ زبردست جناب!''

ڈی۔ پی۔ ای صاحب نے داد دی۔

......☆......

''گزشتہ چار دنوں میں طلبہ کی حاضری نوے فی صد رہی۔''

پروفیسر زفر صاحب نے اعداد و شمار والی رپورٹ پڑھتے ہوئے کہا۔

''بھلا تاریخ کیا ہے آج؟'' پرنسپل صاحب نے پروفیسر سلیمان کامرانی صاحب سے دریافت کرنا چاہا۔

''جی، آج مارچ کی ستائیس تاریخ ہے۔''

''یعنی سالانہ امتحان شروع ہونے میں صرف چودہ دن باقی ہیں۔''

''جی سر!'' پروفیسر سلیمان کامرانی ادب سے بولے۔

''تو کیا گزشتہ پانچ برسوں میں کبھی ایسا ہوا کہ مارچ کے مہینے میں لڑکے کالج آئے ہوں؟'' اب کی بار پرنسپل صاحب اقبال خاکوانی صاحب سے مخاطب تھے، جنھوں نے علیحدگی میں پرنسپل صاحب سے کہا تھا کہ آپ کھیل میلے کا انعقاد کرکے پیسے اور وقت کا ضیاع کریں گے۔ بچے اس میں دلچسپی نہیں لیں گے، مگر نتائج کچھ اور آئے تھے۔

''جی سر! میں خود حیران ہوں کہ مارچ کی ستائیس تاریخ ہے اور لڑکوں کی حاضری ایسی ہے جیسے پڑھائی کے جوبن کے دنوں میں ہوتی ہے۔''

اقبال خاکوانی صاحب کی طرح کے دیگر حضرات کو خاموش جواب مل چکا تھا، جو کھیل کود کو نصابی سرگرمیوں میں شمار کرنے کی بجائے بچوں کو خراب کرنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ جیسے بچپن سے سنتے آئے ہیں:

پڑھوگے لکھوگے تو بنوگے نواب
کھیلوگے کودوگے تو ہوگے خراب

حالانکہ تعلیم کو پورا وقت دینے کے ساتھ اگر جائز کھیل کود ہو تو یہ جسمانی و ذہنی صحت کے لیے بہت اچھا ہوتا ہے۔

31 مارچ کو کالج میں بڑی گہما گہمی تھی۔ نہ صرف سو فیصد طلبہ آئے تھے بلکہ ان کے سرپرست بھی آئے تھے۔

مقابلے سارے ہو چکے تھے۔ اب ''کھیل میلے'' میں نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والوں کو انعامات سے نوازا جانا تھا۔ اسی وجہ سے لڑکوں کی دلچسپی اور خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔

ٹھیک نو بجے تقریب شروع ہوئی۔ تلاوت کلام پاک اور کالج کے بزمِ حسان کمیٹی کے

صدقہ جاریہ

جامعۃ الرشید

زیر تعلیم طلبہ کرام کے

ماہانہ اخراجات
اپنے ذمہ لیجئے

ایک طالب علم کا ماہانہ خرچ 20,000 روپے

دو طلبہ کرام کا ماہانہ خرچ 40,000 روپے

پانچ طلبہ کرام کا ماہانہ خرچ 100,000 روپے

دس طلبہ کرام کا ماہانہ خرچ 200,000 روپے

https://jtr.edu.pk/donate

0322 2000 644

چیئرمین خبیب احمد کی سریلی آواز میں نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سماں باندھ دیا۔ پھر پروفیسر زفر صاحب نے کھیل میلے کے انعقاد کا مقصد اور ممکنہ فوائد بیان کیے اور پروجیکٹر پر تصویری جھلکیاں پیش کیں۔

جو لڑکے کھیل میلے میں شریک نہیں ہوئے تھے، انھیں یہ رونق دیکھ کر اب بہت پچھتاوا ہو رہا تھا کہ کاش! ہم بھی کھیلوں میں حصہ لے لیتے۔

فرداً فرداً ان طلبہ کو اسٹیج پر بلا کر انعامات اور ٹرافیوں سے نوازا گیا۔ اس موقع پر پروفیسر صاحب نے سب کی توجہ قومی کھیل سے عدم دلچسپی کی طرف بھی مبذول کرائی اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ پوری قوم کو محض کرکٹ کا بخار چڑھانے میں میڈیا کا بہت بڑا ہاتھ ہے، حالاں کہ ہمارے قومی کھیل ہاکی سے حاصل ہونے والے فوائد کرکٹ سے کہیں زیادہ ہیں۔ جب پروفیسر زفر صاحب باری باری سارے کھیلوں کا ذکر کر چکے تو پرنسپل صاحب خود ڈائس (منبر) پر آ گئے۔

’’زفر صاحب! ریس کے نتائج کا اعلان کرنا تو بھول ہی گئے، خیر اگر وہ بھولتے بھی نہیں تو اس مقابلے کی جیت کا اعلان ہم ہی کرنے والے تھے، کیوں کہ ساتھ میں خاص اعلان بھی تو کرنا تھاناں!‘‘ پرنسپل صاحب رکے اور ذرا سے مسکرائے۔

یہ بات سنتے ہی ہال میں جوش کی ایک لہر دوڑ گئی۔

’’میں ابھی دیکھ رہا تھا کہ کھیل میلے کا سب سے آخری اور دلچسپ مقابلہ دوڑ کا تھا۔ اگرچہ دوڑ کا مقررہ فاصلہ اور دورانیہ محدود تھا، مگر مزہ بہت آیا۔ بعض لڑکے تو ایک منٹ میں تھک کر اِدھر اُدھر ہو گئے۔ بی۔ ایس پروگرام والے تو علیحدہ ہی ہو رہے، بزرگ جو ٹھرے۔ عمر جو نکل گئی اُن کے دوڑنے کی۔ کولا مشروبات پینے کے شوقین طلبہ کا شوق بھی پورا ہو گیا ہو گا۔ دیکھا تھا...... کیسا سانس پھول رہا تھا ان کا؟ شکر اور کیمیکل سے بھرے مشروبات چھوڑتے نہیں اور خواب دیکھتے ہیں پاک فوج کو جوائن کرنے کا۔ رہے کتابی کیڑے تو وہ تو پاؤں پر مہندی لگی ہونے کی وجہ سے چند قدموں سے زیادہ آگے ہی نہ بڑھ سکے۔ فرسٹ ائیر کے طلبہ نے کچھ پھرتی دکھائی۔ ایک طالبعلم سب پر سبقت لے گیا۔ ابھی اس کا نام لیے دیتا ہوں، مگر اس سے پہلے چند باتیں آپ سے کرنا چاہوں گا۔

آپ اپنے اردگرد کا مشاہدہ کر رہے ہوں گے کہ ہماری جسمانی صحت کس حد تک خراب ہو چکی ہے۔ تیس پینتیس برس کا ہوتے ہی ہمارے گھٹنے جواب دے جاتی ہیں۔ بڑھاپا تیزی سے جوانی کو کھائے جا رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری خوراک طبی اصولوں کے مطابق نہیں، مگر ہماری سستیاں بھی تو برابر کی شریک ہیں۔

دوڑنے اور بھاگنے کا رواج ہی ختم ہو گیا۔ جسم بیٹھے بیٹھے بھدے اور فربہ ہو گئے۔ فاسٹ فوڈ پر زور ہے، ورزش پر نہیں۔ نجانے ہمارا طرزِ زندگی ایسا کیوں ہو گیا ہے؟ ذرا تاریخ کے اوراق کھنگا لیے۔ حدیث کی کتابوں میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہماری امی جان حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کرنا ثابت ہے۔ پہلی بار میں ام المومنین جیت گئیں تو دوسرے موقع پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیتے تو کیسے خوب صورت الفاظ فرمائے کہ ’’یہ تمھاری جیت کا جواب ہو گیا۔‘‘

مروجہ کھیلوں میں ’’دوڑ‘‘ ہی سب سے آسان اور سستا ترین کھیل ہے۔ ماہرینِ صحت کے نزدیک دوڑنا جسم کو تادیر فٹ رکھنے میں سب سے بہترین ورزش ہے! نظام انہضام کی درستی میں بھی اسے خاصا دخل ہے۔ بہرحال اپنی بات کو مختصر کرتے ہوئے آج کے مقابلوں میں جیتنے والوں میں سب سے پہلے دوڑ کا مقابلہ جیتنے والے عادل خان کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دیتا ہوں۔‘‘

پورے ہال میں شور مچ گیا۔ پرنسپل صاحب نے انعام دینے سے قبل عادل خان کو مائیک پکڑا کر سوال کیا: ’’آپ نے دوڑ کے لیے اپنا نام پیش کیا! کیا آپ کو دوسرے کھیل پسند نہیں؟‘‘

’’سر جی! جب میں چھوٹا سا تھا تو اسی وقت سے جسم مشقت کا عادی تھا۔ پہاڑ پر سے

لکڑیاں لانا، چشمے سے پانی بھرنا، بکریوں کے لیے گھاس لانا، سب میرے ذمے تھا، کیوں کہ والد صاحب اکثر تبلیغی اسفار میں ہوتے، یہ کام ہمیں ہی کرنے پڑتے، لیکن مجھ میں دوڑنے کا شوق گھر میں ہونے والی فضائل اعمال کی تعلیم کی برکت سے پیدا ہوا۔''

''واہ بھئی یہ کیا؟ فضائل اعمال کی تعلیم سے تو دینی اعمال کا شوق چڑھتا ہے، دوڑ کا شوق کیسے چڑھ گیا؟'' پرنسپل صاحب حیران تھے۔

''تو سر جی! کیا دوڑنا، اعمال صالحہ اور خاص طور پر جہاد کے لیے معاون نہیں ہے؟''

عدیل خان مسکرایا۔

''بالکل ہے، جی بالکل ہے۔'' پرنسپل صاحب کو یہ بات جیسے ابھی سمجھ میں آئی ہو۔

''سر جی! اصل میں 'حکایاتِ صحابہ' میں سے جب حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا واقعہ سنایا جاتا تو میرا لہو گرما جاتا کہ کیسے انھوں نے محض تیرہ برس کی عمر میں لٹیروں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اونٹ چھڑا لیے تھے، صرف اپنی بہادری اور تیز دوڑنے کی صلاحیت کی وجہ سے، ان کے بارے میں مشہور تھا کہ جب وہ دوڑتے تھے تو عربی گھوڑا بھی پیچھے رہ جاتا تھا۔''

''سبحان اللہ...... سبحان اللہ!'' کئی آوازیں گونجیں۔

''ایک روایت میں ہے کہ انصارِ مدینہ میں ایک صاحب دوڑ میں بڑے ماہر تھے، کوئی ان سے سبقت نہ لے جاسکتا تھا۔ انھوں نے ایک روز اعلان کیا کہ کوئی ہے جو میرے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کرے؟ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی کہ میں مقابلہ کروں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمادی۔ پھر مقابلہ ہوا تو حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے بڑھ گئے۔ بس یہی وجہ تھی کہ مجھے بچپن ہی سے حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بے پناہ انس ہوگیا۔ میں ہر وقت سوچتا رہتا تھا کہ اُن جیسا بنوں گا، چنانچہ ان کی ایک محبت بھری تصویر میرے دل میں ہے۔ وہ بچپن سے میرے آئیڈیل ہیں۔''

''بہت خوب بہت خوب، ماشاء اللہ! میں سلام پیش کرتا ہوں تمھارے آئیڈیل کو اور داد دیتا ہوں تمھاری سوچ کو!'' پرنسپل صاحب نے اسے داد دے کر حاضرینِ محفل کو مخاطب کیا:

''سچ کہا ہے کسی نے کہ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ مجھے تو خبر بھی نہ تھی کہ عدیل خان کے آئیڈیل کون ہیں؟ مگر اسے دوڑتا دیکھ کر مجھے بھی یہی صحابی یاد آگئے تھے، سو جلدی سے اس خیال کو عملی شکل دی اور آج اپنے ہاتھوں سے اس خیال کی عملی شکل بطور اعزاز عدیل خان کو دے رہا ہوں۔''

پرنسپل صاحب نے ڈائس کی دراز کھولی اور اس میں سے ایک دلکش شیلڈ نکالی جس پر جلی حروف میں لکھا تھا:

''حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایوارڈ''

سارا ہال ماشاء اللہ کی صداؤں سے گونج اٹھا۔

عدیل خان کی آنکھیں خوشی کے مارے بھیگ گئیں۔

سب نے دیکھا کہ عدیل خان کے والد اپنی سیٹ پر کھڑے ہو کر ستائشی نظروں سے اپنے ہونہار بیٹے کو دیکھ رہے تھے۔

آج اس قبائلی کی پگ سب سے اونچی لگ رہی تھی۔

☆☆☆

بڑے لوگ

فوزیہ خلیل

جناب حکیم محمد سعید ۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی (انڈیا) میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ بچپن ہی سے بہت ذہین تھے۔ ہر ایک کا احترام کرنا۔ عزت سے پیش آنا، سعادت مندی، حسن اخلاق اُن کی نمایاں خصوصیات تھیں۔

اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد حکیم محمد سعید نے والدہ اور بڑے بھائی کی رہنمائی میں عملی زندگی میں حصہ لینا شروع کیا۔ انھوں نے بے شمار دولت اور شہرت حاصل کی۔ ویسے تو وہ ہندوستان میں رہتے تھے مگر انھیں پاکستان سے بہت پیار تھا اور پھر ایک دن وہ پاکستان کی محبت میں ہندوستان کو چھوڑ آئے۔ وہ بالکل خالی ہاتھ تھے۔ یہاں پر انھوں نے محنت اور دیانت داری کی عظیم مثالیں رقم کیں۔ ہمدرد کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ وہ ۹ جنوری ۱۹۴۷ء کو پاکستان آئے تھے اور ۲۸ جون ۱۹۴۸ء کو انھوں نے آغاز ہمدرد کردیا۔ ۱۹۵۳ء میں انھوں نے ہمدرد دواخانے کو وقف کردیا۔ یعنی اس کی تمام تر آمدنی پاکستان کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کردی گئیں۔

حکیم صاحب نے حکمت کی دنیا میں تہلکہ مچادیا۔ ان کی دوائیں صحت و تندرستی کی ضامن قرار پائیں۔ ان کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ نے بہت شفا رکھی تھی۔ صرف شفاء ہی نہیں دردمند دل بھی دیا تھا۔

وہ وقت کی پابندی کی بہترین مثال تھے۔ وہ ایک ایک سیکنڈ کا خیال اور حساب رکھتے تھے۔ ان کی آمد پر لوگ اپنی گھڑیاں ملالیتے تھے۔ انھیں پاکستان کی مستقبل کی بہت فکر تھی ان کا نعرہ تھا۔

''پاکستان سے محبت کرو...... پاکستان کی تعمیر کرو''

انھوں نے یکم جولائی ۱۹۵۳ء کو بچوں کے لیے ماہنامہ ہمدرد نونہال کا آغاز کیا جو ابھی تک بلا ناغہ ہر ماہ شائع ہو رہا ہے۔

۱۹۸۵ء کو انھوں نے مدینۃ الحکمت کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ ایک بہت بڑے رقبے پر پھیلی ہوئی جگہ ہے یہاں اسکول، کالج، یونیورسٹی ہر ادارہ انھوں نے قائم کر دکھایا۔ ۱۹۸۷ء کو انھوں نے ہمدرد پبلک اسکول کا سنگ بنیاد رکھا۔ ہمدرد پبلک اسکول کی دوپہر کی شفٹ ہمدرد ولیج اسکول کہلاتی تھی۔ یہاں پر قریبی گوٹھ دیہات کے بچے مفت میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ہمدرد ولیج اسکول کے اساتذہ وہی ہیں جو صبح میں پڑھاتے ہیں۔ ان غریب بچوں کی کتابیں، کاپیاں، بیگ، یونیفارم سب کچھ فری ہے۔

حکیم صاحب کی زندگی کا اولین مقصد علم کو چہار سو پھیلانا تھا، ان کی زندگی بہت سادہ تھی۔ پاکستان آکر جس مکان میں ٹھہرے تھے اسی میں آخر تک رہے لیکن قوم کے نونہالوں کے لیے اسکول اور یونیورسٹیوں کے لیے بڑی بڑی عمارتیں بنائیں۔

ایک تقریب میں شہید حکیم محمد سعید نے مدینۃ الحکمۃ کے بارے میں کہا: ''مجھے معلوم تھا کہ یہ خیر کا راستہ ہے اور اس راستے پر چلنے میں بڑے کانٹے ہوتے ہیں لیکن مجھے زخمی ہونا آتا ہے اور میں زخمی ہوسکتا ہوں اور ہوتا ہوں۔''

وہ بیسویں صدی کے بہت بڑے انسان تھے اللہ تعالیٰ نے اُنھیں بڑے بڑے کاموں ہی کے لیے پیدا کیا تھا۔

ان کو ۱۷؍اکتوبر ۱۹۹۸ء کو صبح چھ بجے روزے کی حالت میں ان کے مطب کے سامنے شہید کر دیا گیا۔ اس وقت بھی وہ لوگوں کے غم بانٹنے اور بیماریاں دور کرنے جارہے تھے۔

ان کو ان کی وصیت کے مطابق مدینۃ الحکمۃ میں ہی دفن کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو، آمین!

☆☆☆

لاہور والے ہو جائیں تیار!!

5 فروری بروز بدھ تا 9 فروری بروز اتوار

روزانہ صبح 10 تا رات 10

ہال نمبر: 1

ایکسپو سنٹر، نزد ایمپوریم مال، جوہر ٹاؤن، لاہور

لاہور انٹرنیشنل ایکسپو بک فیئر 2025ء

اساتذہ اور والدین سے گزارش ہے کہ مطالعے کا ذوق و شوق پیدا کرنے کے لیے بچوں کے ہمراہ بک فیئر میں ضرور تشریف لائیں

اس سال ہمارے سٹال پر ان شاء اللہ آپ کی دلچسپی کا پورا پورا سامان موجود ہوگا۔ اشتیاق احمد کی اسلامی کتابیں اور 200 سے زائد جاسوسی ناول، مدیر چاچو محمد فیصل شہزاد اور آئی جی غلام رسول زاہد کی کتابیں، ابوحنظلہ سعدی کی مسلم فاتحین سیریز کے علاوہ اور دیگر کتابیں، سرمد ناول کے مصنف کاوش صدیقی کے مزید تین نئے ناول محمد فہیم عالم کی بہترین اردو کامکس اور مزاحیہ کردار چچا تیز گام کی کتابیں، نذیر انبالوی کی نئی کتابیں، حافظ عبدالرزاق خان کی نئی کتابیں کراماتی چھتری اور عدیل کا آئیڈیل اور بہت کچھ۔ جی ہاں! اس بار پرانی کتابوں کے ساتھ سو سے زائد مزید نئی کتابیں بک فیئر سٹال پر آپ کی منتظر ہوں گی۔ یہ نئی کتابیں آپ کو ملیں گی حیرت انگیز ڈسکاؤنٹ پر، مصنفین کے آٹوگراف کے ساتھ، کیونکہ تمام مصنفین اسٹال پر موجود ہوں گے۔ تو پھر آ رہے ہیں نا آپ!

آٹو گراف و ملاقات
کا سنہری موقع

ہمارے اسٹال پر آپ محمد فیصل شہزاد، کاوش صدیقی، آئی جی غلام رسول زاہد، محمد فہیم عالم، حافظ عبدالرزاق خان، اعظم طارق کوہستانی اور بچوں، بڑوں کے دیگر نامور ادیبوں سے ملاقات کر سکیں گے۔ اُن کی کتابیں آٹو گراف کے ساتھ خرید سکیں گے۔

ہمّت کا پہاڑ ۴۹

راوی: سی ہان انعام اللہ خان مرحوم — تحریر: رشید احمد منیب

میرے ننھے اور بہت پیارے دوستو! میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے قلمی دوستی اور لفظوں سے جڑی محبت کو مرنے نہیں دیا۔ سی ہان انعام اللہ خان کی داستان کے بہت سے اوراق ابھی باقی ہیں۔ آپ ان اوراق میں ایک ایسے شخص کی زندگی کا عکس دیکھ رہے ہیں جس نے ہمت، حوصلے اور محبت کے ساتھ اپنے فن کا پرچم سربلند رکھا تھا۔ وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ بہت پیار کیا کرتا تھا لیکن وہ جس کے ساتھ لڑتا تھا اسے بھی نفرت، حقارت اور دشمنی کی نیت سے دیکھنا درست نہیں سمجھتا تھا۔ یہ اصول آج کے ماڈرن دور میں معاشرے سے عنقا ہوتے جا رہے ہیں۔ میں ان کے موسمِ حیات کے اس دور میں ان سے ملا تھا جب ایک پر بہار درخت کی شاخیں مرجھانے لگی تھیں۔ وہ بہت خاموشی کے ساتھ لحظہ بہ لحظہ زندگی سے دور ہوتے جا رہے تھے لیکن انھوں نے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا۔ ان کے ساتھ میرا رسمی تعلق بہت جلد باپ بیٹے کے روحانی رشتے میں بدل گیا تھا۔ انھوں نے اس تعلق کے آغاز ہی میں مجھے بتا دیا تھا کہ ڈاکٹر انھیں ایک لحاظ سے جواب ہی دے چکے ہیں۔ انھیں مستقل آرام کی ہدایات دی گئی تھیں لیکن وہ آرام طلب انسان نہیں تھے۔ نہ ہی وہ ہار ماننا جانتے تھے۔ زندگی کے آخری برسوں میں وہ اپنی قوم کے لیے کچھ نہ کچھ کر کے ہی جانا چاہتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے مایوسی، بے بسی اور بزدلی کو سر پر سوار ہونے کی اجازت نہیں دی۔ یوں زندگی کا وہ دور جب میں ان کا شاگرد بنا، اُن کی شخصیت کی مانند دلچسپیوں سے معمور رہا۔ ڈاکٹروں کی طرف سے پابندی کے باوجود وہ کلاسوں میں بھی آتے رہے، شاگردوں کو محنت بھی کرواتے رہے، قصے بھی سناتے رہے۔ ہم کلاس سے فارغ ہوتے تو سردیوں کی شاموں میں وہ ہمیں چکن کورن سوپ پلانے لے جاتے۔ گرمیوں میں لسی چلتی۔ دعوتوں میں اپنے ساتھ رکھتے۔ کئی مدارس میں ہم ایک ساتھ گئے۔

یہ الفاظ جو مجھے آج سے برسوں قبل صفحہ قرطاس پر منتقل کر دینے چاہیے تھے، دراصل انہی دنوں کی یادیں ہیں۔ وہ گھنٹوں مجھے اپنے پاس بٹھا کر رکھتے تھے۔ انھوں نے دل میں سلگتی ہوئی تمام باتیں کہہ ڈالیں تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دن جب مسجد سے نکلتے ہوئے میں ان کے جوتے سیدھے کر رہا تھا تو بہت دھیمے لہجے میں انھوں نے کہا تھا: ''بیٹا! علم والے تو آپ کو بہت مل جائیں گے لیکن اس فقیر جیسا دوسرا نہیں ملے گا۔''

اور ایسا ہی ہوا۔ اس مادی دنیا میں اپنے فن کے ساتھ ایسا پیار کرنے والا شخص مجھے کبھی نہیں ملا۔ اب ان کی یادیں اور ان کی باتیں آپ تک ایک فرض سمجھ کر پہنچا رہا ہوں۔

پاکستان بننے سے پہلے میرے والد بمبئی (ممبئی) میں رہتے تھے۔ وہ نیوی میں ملازم تھے۔ بمبئی میں ایک علاقہ پٹھانوں کا تھا۔ یہ میری پیدائش سے قبل کی بات ہے۔ اُس علاقے میں ہندو داخل ہونے کی جرات نہیں کرتے تھے۔ اس علاقے کے قرب و جوار میں بھی مسلمانوں کو ہاتھ لگانا مشکل تھا۔ اگر انتہا پسند ہندو مسلمانوں کو کچھ کہتے تو جواب میں پٹھان ان کے دو تین بدمعاشوں کا کانٹا نکال آتے۔ اس طرح کچھ عرصے کے لیے امن قائم ہو جاتا۔ میرے والد صاحب کے ساتھ ہمارے کچھ رشتے دار، پڑوسی اور گاؤں والے بھی اسی علاقے میں رہتے تھے۔ پاکستان بننے کے وقت میں جب ہنگامے شروع ہوئے تو مسلمانوں کا جگہ جگہ نشانہ بنایا گیا۔ اکیلے مسلمان کو ہندو جتھے کی صورت میں گھیر لیتے تھے اور قتل کر دیتے۔ میرا ایک پھوپھی زاد بھائی اسماعیل بھی مارا گیا تھا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ حادثے میں مارا گیا اور کچھ کہتے ہیں کہ اسے جان بوجھ کر نشانہ بنایا گیا تھا۔ اس زمانے میں وہاں ٹرام چلتی تھی۔ وہ ٹرام سے ٹکرا گیا تھا۔ ہمارے کچھ لوگ بھی فسادات کی زد میں آئے تھے۔ پاکستان بنا تو کچھ لوگ واپس آ گئے اور کچھ وہیں رہ گئے۔ اب ان کی اولادیں وہاں بستی ہیں۔ میں گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔ چند برس کا ہوا تو ہندوؤں کے مظالم کا ذکر بہت سنا۔ یہی وجہ تھی کہ میرے دل میں ان کے متعلق ایک مخالفانہ جذبہ پیدا ہو گیا۔ میں نے بچپن ہی میں سوچ لیا تھا کہ جب بھی کوئی انڈین ملا تو اسے چھوڑوں گا نہیں لیکن جب میں کراچی آ گیا اور یہاں کے ماحول میں پلا بڑھا تو میرے دل میں عام ہندوؤں کے متعلق وہ نفرت نہیں رہی جو بچپن میں تھی لیکن کیوکشن میں جانے کے بعد جب بھارتی فائٹروں سے مقابلہ کرنے کا موقع ملا تو میرے اندر کا وہ جذبہ جاگ اٹھا۔ مجھے جب بھی موقع ملتا میں بھارتی فائٹروں کے ساتھ کوئی نہ کوئی شرارت ضرور کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں ٹیم لے کر جاپان گیا ہوا تھا۔ وہاں ایک ٹورنامنٹ تھا۔ بھارت سے بھی ایک ٹیم پہنچی تھی۔ دونوں ملکوں کی ٹیم کو ایک ہی ہوٹل میں ٹھہرایا گیا تھا۔ جاپان ہیڈ کوارٹر سے مجھے اطلاع مل گئی تھی۔ اس وقت ہیڈ کوارٹر میں، میرا ایک دوست تھا۔ میں نے اس سے انڈین ٹیم کے کمروں کے نمبر بھی پوچھ لیے تھے اور مجھے ان کی ٹیم کے لڑکوں کے نام بھی معلوم ہو گئے تھے۔

(جاری ہے)

عشق اور ہم (۱)

محمد فضیل فاروق

ہم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی داستانیں سنتے رہتے ہیں۔ لازوال داستانیں، انھی داستانوں میں ایک داستان محبوب کی زبان مبارک سے ادا ہونے والے الفاظ جمع کرنے کے لیے اپنی پوری زندگی صرف کرنے کی بھی ہے۔

ان مبارک الفاظ کو جمع کرنے کے لیے کچھ چنیدہ خوش نصیبوں نے زندگی بھر سفر کیا۔ کوئی اس وقت کے تینوں معلوم براعظموں میں گھوما، در در جا کر اپنے محبوب کی ادائیں جمع کیں، اور جب واپس لوٹا تو چالیس اونٹوں پر وہ کتابیں لدی تھیں جن میں محبوب کائنات کی ادائیں، عادات، اطوار، رہن سہن، معاشرت، معاملات، عبادات واخلاق، آپ کے حلیہ مبارک کی تفصیل، آپ کے نقوش، آپ کی رنگت، آپ کا قد، آپ کے چلنے بولنے کا انداز ہنسنے، کھانے پینے، یہاں تک کہ استنجا کے آداب، پاکی وطہارت کے آداب، گھر والوں سے سلوک کا طریقے، باہر والوں سے سلوک کا طریقہ، سونے کا طریقہ، جاگنے کا طریقہ، گھر سے نکلنے کا طریقہ، گھر میں آنے کا طریقہ، بیمار کو تسلی کیسے دیں، جنازے پر تعزیت کیسے کریں، غرض یہ کہ سوکر اٹھنے سے لے کر واپس خواب گاہ میں جانے تک ایک ایک عادت مبارکہ محفوظ کر لی گئی!

عشق کی اس لازوال داستان میں ایک دو نہیں بے شمار زندگیاں لگیں۔

محبین نے محبوب سے براہ راست کوئی بات سن رکھی ہوتی تھی، مگر جب پتا چلتا کہ یہی بات کچھ دوسرے الفاظ میں بھی محبوب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرما رکھی ہے تو اس بات کو جاننے کے لیے مہینوں کا سفر کرتے کہ یہی بات محبوب نے اور کس ادا سے فرمائی ہوگی!؟

کئی صدیوں پہلے شروع ہونے والی اس داستان کی رہتی دنیا تک قسطیں چلتی رہیں گی، محبین آئے، اپنی زندگی سے اس داستان کا حصہ لکھا پھر چلے گئے، اگلے آئے وہیں سے انھوں نے سلسلہ جوڑا پھر چلے گئے۔ لوگ آتے رہے، جاتے رہے، داستان طویل ہوتی گئی۔ یہ داستان ہے عشاق کی اپنے محبوب کی ایک ایک بات اور ایک ایک عمل کو جاننے کی، محفوظ کرنے کی، اپنانے کی۔ محبوب کے ایک ایک لفظ کو سننے اور جاننے کے لیے لوگوں نے کہاں کہاں سفر کیے اور کس قسم کا اہتمام کیا اس کی کچھ جھلکیاں دیکھیں، اسی داستان کی جھلکیاں جس کی ایک قسط آج ہم نے دیکھی۔

☆......☆

دس محرم الحرام! ہمیشہ کی طرح آج بھی دارالعلوم کراچی میں اجازت حدیث کی تقریب منعقد ہونی تھی۔ تقریب سوا بارہ بجے شروع ہونی تھی۔ میں نے اپنے صوابی کے دوست اور سابق ہم مکتب ثاقب خان کو میسج کیا، جواب دارالعلوم کے طالب علم ہیں کہ کوئی حضرت شیخ صاحب کے بالکل قریب بیٹھنا چاہے تو کیا وظیفہ ہوگا؟

کہنے لگا بالکل قریب تو دارالعلوم کے دورہ حدیث شریف کے طلبہ بیٹھیں گے، البتہ اس کے بعد جگہ مل جائے گی۔ طریقہ یہ ہوگا کہ صبح ساڑھے آٹھ بجے ناشتا ہمارے ساتھ کر لیں۔

میں بخوشی راضی ہوگیا۔ اگلے دن سوا آٹھ کے قریب جب میں دارالعلوم کے مرکزی پھاٹک سے اندر اس زعم کے ساتھ داخل ہو رہا تھا کہ آج تو میں بہت جلدی آیا ہوں، ایں سعادت بزور بازو نیست، وغیرہ وغیرہ مگر الحمدللہ پھاٹک سے داخل ہوتے ہی وہ زعم خود بخود ناک کے رستے باہر آ گیا کہ ہم سے بھی پہلے ایک جم غفیر پہنچا ہوا تھا اور دارالعلوم کی مسجد کے اردگرد ڈیرے ڈالے بیٹھا تھا۔

بہر حال، چونکہ مسجد کے سارے دروازے انتظامی امور کو انجام تک پہنچانے کے لیے بند تھے، چنانچہ ہم نے پروگرام کے مطابق دارالعلوم کے شہرہ آفاق چھولے اور حلوے کی ضیافت اڑائی اور آ کر مسجد کے نزدیک کھڑے ہوگئے۔

نو بجتے ہی دروازے کھل گئے، محبین گروہ در گروہ مسجد میں داخل ہونے لگے۔ ہم بھی آگے جا کر بیٹھ گئے۔ ابھی مسجد کے صرف مرکزی دروازے کھلے تھے، اندر ہال کے دروازوں نے ابھی کھلنا تھا۔

سارے پروانے اُن دروازوں کے گرد چپک گئے۔ اس دن باقی دنوں کی نسبت گرمی زیادہ تھی۔ درجہ حرارت تقریباً ۵۰ ڈگری تک تھا۔ اب ایک تو پہلے ہی بند جگہ، پھر اتنا ہجوم، سب پسینے میں شرابور ہوگئے تھے۔ اس انتظار کے دوران میں حضرت شیخ صاحب کی کتاب ''سود پر تاریخی فیصلہ'' کا مطالعہ کرتا رہا۔ کافی عرصے بعد ایک نشست میں اتنا زیادہ مطالعہ ہو پایا۔ جن حضرات کو آج کل کی بینکاری میں موجود معاملات کا سودی ہونے پر شک ہو، وہ یہ تصنیف پڑھ لیں، ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا شک دور ہوجائے گا۔

اٹلانٹس پبلکیشنز | محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز کے ناول

ویب سائٹ سے آرڈر کا طریقہ: www.atlantispublications.com.pk سے گھر بیٹھے ناول منگوائیں

اشتیاق احمد کے ناول اور دیگر کتابیں آرڈر کرنے کے لئے ویب سائٹ کے ہوم پیج کے اوپر BOOK SHELF پر کلک کریں اور پھر اپنی پسند کی کیٹگری پر کلک کریں، اپنی مطلوبہ کتاب کے ٹائٹل کے ساتھ ADD TO CART کے بٹن پر کلک کرتے جائیں، آپ اوپر دائیں کونے پر باسکٹ کے نشان پر اپنی منتخب کردہ کتب کی کل قیمت دیکھ سکتے ہیں۔ آرڈر فائنل کرنے کے لئے اس باسکٹ کے نشان پر کلک کرکے ایک مرتبہ رعایتی بل اور ڈلیوری چارجز دیکھ کر CHECKOUT کے بٹن پر کلک کر دیں۔ اپنا مکمل نام، مکمل پتہ اور رابطہ نمبر کی مکمل تفصیلات درج کر کے NEXT پر کلک کریں۔ ادائیگی کے طریقوں میں سے ایک کا انتخاب کر کے PLACE ORDER پر کلک کر دیں۔ آپ کا آرڈر ہمیں موصول ہو جائے گا۔ کال کنفرمیشن کے بعد آپ کا پارسل تین سے سات روز میں ڈلیور ہو جائے گا۔ واٹس ایپ میسج 0348-2568546 | فون 0331-4853445, 0300-2472238

آپ اپنے پسندیدہ ناول facebook.com/InspectorJamshed اور facebook.com/atlantispublications سے بھی آرڈر کر سکتے ہیں۔

ناولوں کے پہلے ایڈیشنز کے نئے پرنٹ، اوریجنل سرورق، اشتہارات اور بچوں کے خطوط کے ساتھ

ہال کے دروازے کھل گئے۔ آگے کوئی پانچویں صف تھی جس میں الحمدللہ ہمیں جگہ مل پائی۔ حضرت شیخ صاحب کے سامنے ہزاروں کا مجمع تھا۔ عشاق اس لیے آئے تھے کہ محبوب کی بات سنائی جائے گی اُس ادا کے ساتھ جس ادا سے محبوب نے بات ارشاد فرمائی تھی۔

جی دوستو! ہم میں سے اکثر کو حدیث کی اس انوکھی قسم کا معلوم نہیں ہوتا۔ مجھے خود مدرسے میں چوتھے سال اس قسم کا اندازہ ہوا۔ تھوڑی دیر میں حضرت مولانا شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ تشریف لائے، سراپا تواضع، عجز وانکسار کا استعارہ، جنھیں دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ موجودہ دور میں ان کی مثال لانے سے دنیا عاجز ہے۔

حضرت کرسی پر براجمان ہوئے تو پروانے بھول گئے کہ وہ کیسی گرمی میں بیٹھے ہیں، نظریں اُس چہرے پر ٹکٹکیں، جس نے محبوب کی ادا کی نقل کر کے دکھائی تھی۔

حضرت نے فرمایا: ''اپنے شیخ کے حکم پر کئی برسوں سے دس محرم کے دن مسلسلات کی اجازت کے لیے یہ اہتمام کرنے کی توفیق ہو رہی ہے۔

''مسلسل'' اس حدیث کو کہتے ہیں کہ کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس صفت یا جس حالت کے ساتھ سنائی، چودہ سو سال سے ہر راوی اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے اسی صفت یا حالت کو اختیار کرتا ہے، جیسے کہ ایک حدیث ارشاد فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصافحہ فرمایا تھا، سو ہر راوی یہ حدیث بیان کرتے وقت اپنے شاگرد سے مصافحہ کرتا ہے۔

اصل مسلسل تو یہی ہے، مگر اس کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو کوئی خاص صفت نہیں اپنائی، مگر ان کے کسی عاشق نے کوئی صفت اپنائی جو چودہ سو برس سے اسی طرح چلی آرہی ہے، جیسے کہ حدیث المسلسل بالاولیہ، جس میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سب سے پہلے نہیں سنی تھی، مگر چونکہ حضرت سفیان بن عیینہ نے سب سے پہلی حدیث اپنے شیخ سے یہ سنی تھی، لہٰذا اپنے شاگرد کو دیتے وقت انھوں نے اسے بتایا کہ

''وهو اول حديث أرويه عنه''

یعنی یہ پہلی حدیث ہے جو میں ان سے روایت کر رہا ہوں۔

اب ہر راوی اپنے شاگرد کو حدیث دینے سے پہلے بتاتا ہے کہ میں نے اپنے استاد سے سب سے پہلے یہی حدیث لی تھی۔

یا سبحان اللہ! اتنا اہتمام۔

الحمدللہ ہمیں بھی حضرت شیخ صاحب سے اسی حدیث کی اجازت سب سے پہلے ملی، جس طرح سند میں راوی محبت سے یہ جملہ فرماتے رہے ہیں، آج ہم بھی عشق کی اسی لڑی، اسی تسلسل کی ایک کڑی بن کر محبت سے جھوم کر کہتے ہیں:

''حدثني شيخ الاسلام الفقيه المفتي محمد تقي العثماني حفظه الله تعالى و هو أول حديث أرويه عنه قال: حدثني مسند عصره الشيخ ابو الفيض محمد ياسين بن محمد عيسى الفاداني المكي رحمه الله وهو أول حديث أرويه عنه''

اب آپ مجھے لا کر دیں کسی ایسے محبوب کی مثال جن کی نہ صرف باتیں محفوظ ہیں، بلکہ بہت سی اسی ادا کے ساتھ محفوظ ہیں جس ادا کے ساتھ محبوب نے فرمایا تھا۔

پھر حضرت نے فرمایا: ''یہ تمام احادیث مسلسلہ جو میں روایت کر رہا ہوں، یہ میں نے اپنے زمانے کے مسند محمد یاسین بن محمد عیسیٰ الفادانی المکی رحمہ اللہ سے حاصل کی ہیں۔ وہ مکہ مکرمہ کے مقیم تھے اور چونکہ مکہ مکرمہ مسلمانوں کا عظیم مرکز ہے، جہاں چاردانگِ عالم سے علما و محدثین تشریف لایا کرتے ہیں، لہٰذا انھیں یہ خاص ذوق تھا کہ جو بھی بڑے محدث آتے، یہ ان سے حدیث کی اجازت لیا کرتے تھے۔

لہٰذا میرے علم کے مطابق یہ اپنے دور کے ان دو آدمیوں میں سے ایک تھے جن کے پاس سب سے زیادہ اجازتیں موجود تھیں اور چونکہ ان کے پاس بہت سے مشائخ کی اجازتیں تھیں، اس لیے انھیں مسند العصر کہا جاتا ہے اور وہ صحیح معنوں میں مسند العصر تھے۔

الحمدللہ ایک بہت بڑا شرف جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا کہ ان کے پاس جو احادیث مسلسلہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ تھا، ان میں سے کچھ کو حاصل کرنے کی سعادت مجھے بھی حاصل ہوئی۔ اس میں سے ایک حدیث کے حاصل کرنے کا واقعہ تو بہت ہی عجیب ہے، جو اس موقع پر میں ضرور بیان کرنا چاہتا ہوں۔ ایک بار ایک کانفرنس کے سلسلے میں جدہ جانا ہوا۔ اس کانفرنس کی مشغولیت کی وجہ سے صرف چند گھنٹے ہی فراغت کے میسر آسکے، جو میں نے حرم مکی میں گزارنے کا عزم کیا۔ چنانچہ کانفرنس سے فارغ ہو کر میں مکۃ المکرمہ پہنچ گیا اور ان چند لمحات سے کما حقہ فائدہ اٹھانے کے لیے میں نے مکہ میں اپنی موجودگی کی خبر کسی کو بھی نہ ہونے دی۔

فجر سے لے کر ظہر تک حرم میں رہا، پھر ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد میں حرم سے کسی حاجت کی بنا پر باہر گیا تو باب عبدالعزیز کے سامنے سیڑھیوں (اس زمانے میں وہاں سیڑھیاں ہوا کرتی تھیں) پر شیخ فادانی رحمہ اللہ کا ایک شاگرد کھڑا تھا۔

جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی، وہ میری طرف لپکا اور مجھے کہنے لگا: ''شیخ! میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔''

مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میں نے کہا کہ تمھیں کیسے معلوم کہ میں یہاں موجود ہوں؟

تو وہ کہنے لگا کہ مجھے تو شیخ فادانی رحمہ اللہ نے بلایا اور کہا کہ ظہر کی نماز حرم شریف میں پڑھو اور دیکھو کہ وہاں تقی آیا ہوا ہوگا، تم ظہر کے بعد اسے میرے پاس لے آؤ۔ آپ کو لانے کے لیے انھوں نے گاڑی بھیجی ہے۔

شیخ فادانی حرم مکی سے تین میل کی دوری پر ایک محلے میں رہتے تھے۔ مجھے بہت تعجب ہوا۔ شیخ کے پاس جب گیا تو حضرت الاستاد نے مجھ سے شکوہ کیا کہ تم مکہ آئے اور ہمیں خبر بھی نہ ہونے دی۔ میں نے بہت ندامت کا اظہار کرتے ہوئے ان سے معذرت کی اور یہ استفسار کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں مکہ آیا ہوا ہوں؟ میں نے کسی بھی شخص کو یہ علم نہیں ہونے دیا تھا۔

اس پر شیخ نے فرمایا کہ اس بات کو چھوڑو بلکہ کام کی بات سنو۔ وہ یہ کہ ایک حدیث مسلسل کا تعلق آج کے دن کے ساتھ خاص ہے، چونکہ آج عاشورہ کا دن تھا اور حدیث المسلسل بیوم عاشوراء صرف اسی دن حاصل کی جاسکتی ہے اس لیے تمھیں بلایا ہے کہ تمھیں اس حدیث کی اجازت دے سکوں۔

یہ نعمت دینے کے بعد پھر مجھے شیخ نے یہ حکم دیا کہ اب تم ان احادیث مسلسلہ کو آگے زیادہ سے زیادہ پھیلاؤ۔ سو اپنے شیخ کے اسی حکم کی تعمیل میں، میں کئی برسوں سے دارالعلوم میں ۱۰ محرم کے دن اجازت حدیث کی اس مجلس کو منعقد کرنے کا اہتمام کرتا ہوں۔''

☆☆☆

(جاری ہے)

بستہ ہے تین من کا

عبدالقادر

بستہ ہے تین من کا، کیسے اسے اٹھاؤں / آتا نہیں سمجھ میں، اسکول کیسے جاؤں

بس میں نہیں ہے میرے، کوہِ گراں اٹھانا / میں پِس رہا ہوں لوگو، آکر مجھے بچانا

چھوٹا سا میں ہوں بچہ، کنگ کانگ ہوں نہ گاماں / سہراب ہوں نہ رستم، کمزور سا ہوں انساں

ظلم و ستم کا مجھ پر کیسا پہاڑ توڑا / ارباب مدرسہ نے خچر بنا کے چھوڑا

کوئی قلی نہیں ہے، جس سے ملے سہارا / میں ہانپنے لگا ہوں، بے چارہ غم کا مارا

کوئی شفیق انساں، مجھ پر کرے عنایت / جا کر کرین لائے، مجھ میں نہیں ہے طاقت

ہاتھی یا اونٹ یا پھر گھوڑے کی ہے ضرورت / شاید نکل سکے گی، میری مدد کی صورت

یہ بوجھ ڈھوتے رہنا، تعلیم تو نہیں ہے / پہنچائے جو خدا تک، وہ علم بہتریں ہے

مضمون سو طرح کے، میرے نصاب میں ہیں / اسباق بے تحاشا، ہر اک کتاب میں ہیں

اصحاب علم و دانش، جنگل کی سمت جائیں / جنگلات میں پہنچ کر، جنات کو بلائیں

موٹی سی یہ کتابیں، جنات کو پڑھائیں / کمزور آدمی کو، اس بوجھ سے بچائیں

لوہے کے ان چنوں کو ہم کس طرح چبائیں / اربابِ علم و دانش انسان پر رحم کھائیں

اسلاف نے گزارا، ماضی کا جو زمانہ / آسانیاں تھیں اُس میں، خوشیوں کا تھا خزانہ

جو بچے پڑھ رہے تھے، تختی کتاب لے کر / پڑھ لکھ کے بن گئے ہیں وہ دفتروں میں افسر

جو صاحبانِ دانش، بیٹھے ہیں کرسیوں پر / میری یہ التجا ہے، اُن سب سے گڑگڑا کر

مجھ سے سہا نہ جائے، یہ ظلم ہے سراسر / لے لو دعائیں میری، اس بوجھ کو گھٹا کر

☆☆☆

(خصوصی طور پر بچوں کا اسلام کے نوعمر قارئین کے لیے سہل اور عام فہم انداز میں تلخیص کیا گیا!)

میرِحجاز

اختر حسین عزمی

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر ہم نے ایسا کیا تو کفار سمجھیں گے کہ ہم ان سے ڈر گئے ہیں اور بزدلی کے باعث میدانِ جنگ میں ان کو نہیں للکار سکے۔''

بنوخزرج ہی کے ایک دوسرے سردار سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس رائے سے اختلاف کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمیں جنت سے محروم نہ فرمایئے! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں ضرور اس میں داخل ہوں گا۔''

نعمان بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدان جنگ میں دُوبدو لڑنا چاہتے تھے۔

''کیوں''؟ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تو انھوں نے عرض کی:

''میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں اور میدانِ جنگ سے بھاگتا نہیں ہوں۔''

''تم نے سچ کہا ہے۔'' اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جاں نثار کے جذبے کی تصدیق فرمائی۔

وہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو غزوہ بدر میں شرکت کی سعادت سے محروم رہ گئے تھے، ان کا اصرار تھا کہ میدان جنگ میں مقابلہ کیا جائے۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم تو اس دن کی تمنّا کیا کرتے تھے، اب اللہ نے یہ موقع فراہم کیا ہے تو آپؐ ہمیں دشمن کے مقابلے میں لے چلیں۔ بدر میں تین سو تیرہ تھے تو ان کو دندان شکن شکست دی تھی آج تو ہم تعداد میں بھی پہلے سے زیادہ ہیں۔''

ہر صحابی گویا اس جذبے سے سرشار تھا: میں سر بکف ہوں لڑا دے کسی بلا سے مجھے۔ ان گرم جوش صحابہ میں رسولِ خداؐ کے چچا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرفہرست تھے جو غزوۂ بدر میں بھی اپنی تلوار کے جوہر دکھا چکے تھے۔ انھوں نے کہا:

''اس ذات کی قسم جس نے آپؐ پر کتاب نازل کی ہے، میں کوئی غذا نہ چکھوں گا یہاں تک کہ مدینے سے باہر اپنی تلوار کے ذریعے ان مشرکوں سے دو دو ہاتھ کرلوں۔''

حضورؐ نے جب اپنے اکثر صحابہ کے جذبۂ جہاد اور شوقِ شہادت کو دیکھا تو ان کی رائے قبول کرلی۔ اس کے بعد تاجدارِ مدینہؐ نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جس میں جہاد اور صبر و استقامت کی تلقین کی۔ اس کے بعد خواتین کو مختلف محفوظ حویلیوں میں ٹھہرانے کا انتظام کر دیا گیا۔

نمازِ عصر کی ادائیگی کے بعد تاجدارِ مدینہ ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے ہمراہ اپنے حجرے میں چلے گئے۔ دونوں نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر پر عمامہ باندھا۔ لباس کے نیچے اور اُوپر دو زرہیں پہنائیں اور تلوار حمایل کی۔

حضورؐ کی باہر آمد کے منتظر لوگوں کو بنواوس کے سردار سعد بن معاذ اور اُسید بن حضیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے لوگوں سے کہا: ''تم نے اپنی رائے پر اصرار کر کے رسول خداؐ کو باہر نکلنے پر مجبور کیا۔ ان پر وحی نازل ہوتی ہے، تمھیں چاہیے کہ اس معاملے میں فیصلے کا حتمی اختیار ان کے سپرد کر دو اور وہ جو حکم دیں، اسے بجالاؤ۔''

یہ سن کر سب نے ندامت محسوس کی۔ اسی دوران رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہتھیار سجائے لوگوں کے سامنے آئے تو انھوں نے عرض کیا:

یا رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمیں آپؐ کی رائے کی مخالفت نہیں کرنا چاہیے تھی۔ اگر آپؐ کو یہ پسند ہے کہ مدینے میں رہ کر مقابلہ کریں تو آپؐ ایسا ہی کیجیے۔''

''کوئی نبی جب ہتھیار پہن لے تو مناسب نہیں کہ وہ اسے اتارے حتیٰ کہ اللہ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔ نصرت الٰہی تمھارے ساتھ ہوگی جب تک تم صبر کا دامن تھامے رکھو گے۔''

تدبیری معاملات میں اپنی رائے پر بضد رہنا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شیوہ نہ تھا۔ اس لیے جوشِ جہاد سے سرشار اکثریت کے فیصلے کو قبول کرلیا، بار بار فیصلے تبدیل کرنا بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پسند نہ تھا۔ اب سالارِ لشکر نے تین نیزے منگوائے اور ان تینوں نیزوں کے ساتھ تین جھنڈے باندھے۔ قبیلہ اوس کا علَم اُسیدؓ بن حُضیر کو، قبیلہ خزرج کا علَم حبابؓ بن منذر کو اور مہاجرین کا پرچم مصعبؓ بن عمیر کو عطا ہوا۔ مدینہ میں امامت نماز کے لیے عبداللہؓ بن ام مکتوم کو اپنا قائم مقام مقرر فرما دیا۔

☆☆

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے بیٹے اس جہاد میں مجھے آپؐ کے ساتھ جانے سے روک رہے ہیں۔ جب کہ میری تمنّا ہے کہ میں جنت کی سرزمین کو اپنے لنگڑے پاؤں سے پامال کروں۔''

حضرت عمرو بن جموح کے چار بیٹے خلّاد، معوذ، معاذ اور ابوایمن رضوان اللہ علیہم اجمعین جہاد میں شریک ہو رہے تھے۔ اپنے باپ کے بڑھاپے اور لنگڑے پن کے عذر کے باعث وہ انھیں جہاد پر جانے سے روک رہے تھے۔ عمروؓ بن جموح جو اڑھائی تین سال پہلے تک بتوں کے گرویدہ تھے، اب کفر و شرک کے خلاف اپنی آخری توانائیاں صرف کرنا چاہتے تھے۔ ان کی شکایت سن کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تمھارے بیٹے ٹھیک کہتے ہیں۔ اللہ نے تمھیں معذور قرار دیا ہے، جہاد میں شمولیت تم پر لازم نہیں۔''

جب حضورؐ نے بھی انھیں معذور قرار دے دیا تو پھر اپنے بیٹوں کی طرف متوجہ ہوئے:

''میرے جہاد پر جانے سے تمھیں کیا تکلیف ہے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کی نعمت سے سرفراز کر دے۔''

اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کی نظر میں شہادت کی موت کو زندگی سے بھی زیادہ پُرکشش بنا دیا تھا۔ اب ان کے بیٹوں نے بھی ان کی خواہش کے احترام میں اپنا اصرار چھوڑ دیا۔ سفر جہاد پر روانہ ہوتے ہوئے عمروؓ بن جموح نے قبلہ رُو ہو کر یہ التجا کی: ''اے اللہ مجھے نامراد کر کے اپنے گھر والوں کے پاس واپس نہ لانا۔''

ایک ہزار مردانِ جنگی پر مشتمل یہ لشکر جس میں ایک سو زرہ پوش اور پچاس گھڑ سوار تھے، احد کی جانب روانہ ہوا۔ امیر المجاہدینؐ سکب نامی گھوڑے پر سوار، گلے میں کمان آویزاں کیے اور ہاتھ میں نیزہ تھامے لشکر کی کمان کر رہے تھے۔ ان کے دائیں بائیں بنواوس کے سردار سعدؓ بن معاذ اور بنوخزرج کے سردار سعدؓ بن عبادہ زرہ پہنے آگے آگے چل رہے تھے۔

ثنیۃ الوداع کے مقام سے آگے بڑھے تو نہایت عمدہ ہتھیاروں سے مسلّح ایک دستہ نظر آیا:

''یہ کون لوگ ہیں؟'' سالارِ اعظمؐ نے دریافت کیا۔

جاری ہے

ایک سائنسی تجربہ

اعظم طارق کوہستانی

بارش برساتے بادل کہاں سے آتے ہیں؟ آئیے ہم جانتے ہیں۔

بارش برسنے کے بعد، سڑکوں پر پڑا پانی، گھاس، گھر حتیٰ کہ ہمارے کپڑوں پر پڑنے والا پانی بھی آہستہ آہستہ خشک ہوجاتا ہے اور ختم ہوجاتا ہے۔ پانی کے قطرے چھوٹے سے چھوٹے ہوتے جاتے ہیں اور بالآخر ختم ہوجاتے ہیں۔ گرم موسم میں یہ پانی جلدی جبکہ خشک موسم میں دیر سے خشک ہوتا ہے۔ لیکن یہ پانی کہاں جاتا ہے اور یہ بارش کے بادل کہاں سے آتے ہیں؟ یہ ہم جانیں گے اس تجربے میں۔

ایک بڑی پلیٹ میں تھوڑا سا پانی ڈالیں اور کھڑکی سے آنے والی دھوپ کے نیچے تین گھنٹوں کے لیے رکھ دیں۔ آپ دیکھیں گے کہ پانی غائب ہوجائے گا۔

اب دو پلیٹوں میں تھوڑا تھوڑا پانی ڈال کر کھڑکی کے سامنے رکھیں اور ایک پلیٹ کو کتاب

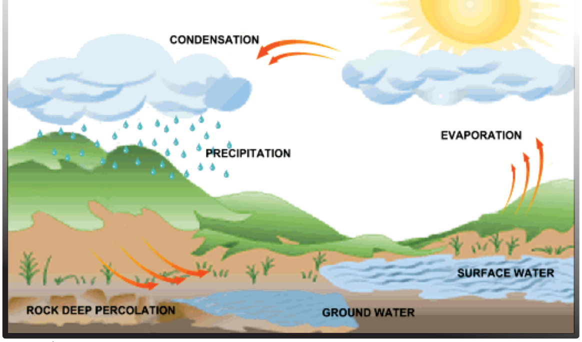

کی مدد سے دھوپ سے بچاتے ہوئے سایہ فراہم کردیں۔ پھر ایک دو گھنٹے بعد آپ دیکھیں گے کہ ڈھکی ہوئی پلیٹ میں پانی دوسری پلیٹ کی نسبت زیادہ موجود ہوگا

ایسا کیوں ہوا......؟

جب پانی خشک ہوتا ہے تو چھوٹے چھوٹے قطروں میں تبدیل ہوجاتا ہے جنہیں ہم دیکھ نہیں سکتے۔ پانی کے یہ قطرے ہوا میں چلے جاتے ہیں اور یہ بخارات کہلاتے ہیں۔ گرم دنوں میں یہ بخارات ہوا میں اوپر جاتے ہیں اور آسمان تک چلے جاتے ہیں۔ آسمان پر جا کر یہ بخارات زمین کے قریب بخارات کی نسبت ٹھنڈے ہوجاتے ہیں اور یوں چھوٹے چھوٹے بخارات آپس میں مل کر بڑے بخارات بن جاتے ہیں۔ یہی بخارات مل کر بادل بن جاتے ہیں جو آسمان پر دکھائی دیتے ہیں۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

گرم دنوں میں بادلوں میں موجود پانی بارش کی صورت برستا ہے۔ یہ برسنے والا پانی تالاب، جھیل، دریا اور پھر سمندر میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ بارش کے نتیجے میں گیلی ہوجانے والی ہر چیز جب خشک ہوتی ہے تو وہ پانی ہوا میں تحلیل ہوجاتا ہے۔ پھر گرم موسم میں یہ پانی آسمان پر جا کر بخارات کی صورت مزید بادل بناتا ہے تاکہ بارش برس سکے۔

☆☆☆

بنت نجم الدین۔ ڈیرہ اسماعیل خان

آنکھوں کی ٹھنڈک

’’حسیب! تمھیں اپنے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے ناں؟‘‘ محمد احمد نے اپنے چچازاد بھائی سے پوچھا۔

’’ہاں نا کیوں نہیں۔‘‘ وہ فوراً ہی بولا۔

’’اچھا محبت کا دعویٰ تو ہے، لیکن اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز کو تم کیوں چھوڑ دیتے ہو؟ سچی بڑا لطف آتا ہے نماز میں...... جب پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ کانوں میں گونجتے ہیں کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے نماز......‘‘ محمد احمد نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت سے بول رہا تھا۔ ان کی امی جان عائشہ جو پاس ہی بیٹھیں اپنا سوٹ سلائی کر رہی تھیں کہ نظر محبت بیٹے کو تکنے لگیں۔

’’حسیب! بولو نا اب تو نہیں چھوڑو گے نماز کو؟‘‘ وہ التجا سے بولا۔

’’جی ہاں میرے بھائی! ان شاءاللہ تعالیٰ آج ہی سے میں عہد کرتا ہوں بلکہ ابتدا ابھی ہی تمھارے ساتھ عصر پڑھ کر نہ کردوں؟‘‘

اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو محمد احمد کے چہرے پر چمک آ گئی: ’’کیوں نہیں!‘‘ وہ دونوں ہاتھ تھام کر چل دیے اور عائشہ یہ منظر نم آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

ایک ہی سوراخ سے!

اشتیاق احمد

ایک چور ایک امیر آدمی کے گھر کی دیوار پھاند کر اندر داخل ہوا۔ پورا گھر تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ دبے پاؤں آگے بڑھا۔ برآمدے تک ہی پہنچا ہوگا کہ اچانک گھر کے سارے بلب روشن ہو گئے، وہ بوکھلا گیا، واپس مڑ کر بھاگ جانا چاہتا تھا کہ مڑتے ہی خوف زدہ انداز میں رک گیا۔ اس کے اور دروازے کے درمیان مالک مکان اپنے دو نوکروں کے ساتھ کھڑا تھا۔ دونوں نوکروں کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں۔ وہ حیران رہ گیا۔ یہ کیسے ممکن تھا، انھیں اس کے اندر پھلانگتے ہی کیسے خبر ہوگئی اور وہ اتنی جلدی اس جگہ تک کس طرح پہنچ گئے؟

وہ ان سے ڈر کر دروازے کی بجائے گھر کے اندر کی طرف بھاگا، اس کے سامنے جو کمرہ آیا، اس کا دروازہ کھلا تھا، اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، کمرے میں گھس گیا۔ اچانک اس کے کانوں سے ایک قہقہے کی آواز ٹکرائی۔ وہ گڑبڑا گیا، پہلا خیال یہی آیا کہ کہیں وہ آج کسی بھوت گھر میں تو نہیں پھنس گیا ہے؟

کمرے کا بلب روشن تھا۔ ایک آدمی چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ ایک کہنی کے بل اوپر کو اُٹھا ہوا تھا۔ اس کی نظریں اس پر گڑی تھیں۔

یہ دیکھ کر چور کی تو سٹی ہی گم ہوگئی کہ اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک پستول تھا جس کی نال کا رخ اس کی طرف تھا۔ قہقہہ اس پستول والے آدمی ہی نے لگایا تھا۔

''تم برے پھنس گئے ہو دوست۔'' اس نے ہنس کر کہا، پھر بولا: ''خیر ایک تم ہی کیا، یہاں تو اچھے سے اچھے چور بھی پھنس جاتے ہیں۔''

وہ برابر ہنسے جا رہا تھا اور چور ہکّا بکّا کھڑا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ آج کہاں پھنس گیا ہے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ اسے خاموش پا کر مالک مکان نے کہا:

''کیا بات ہے، تم چپ چپ ہو؟ بھئی ایسا تو ہوتا ہی ہے۔ چور کبھی نہ کبھی تو پکڑا ہی جاتا ہے، سو آج تم پکڑے گئے۔ تم حیران ہو رہے ہو گے اور سوچ رہے ہو گے کہ کیا میں اور میرے ملازم چوروں کے انتظار میں ساری رات جاگتے ہی رہتے ہیں؟ تو سنو دروازے پر تم نے جس آدمی کو دو نوکروں کے ساتھ کھڑے دیکھا تھا اور جن کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں، وہ دراصل آدمی نہیں ہیں، وہ پتھر کے بنے ہوئے بت ہیں، لیکن اس خوبصورتی اور کاریگری سے بنائے گئے ہیں کہ غور سے دیکھنے کے بعد ہی پتا چلتا ہے کہ یہ اصل انسان نہیں ہیں۔ سارے گھر کے بلب اس طرح روشن ہوتے ہیں کہ میں نے برآمدے کے فرش کو اس طرح بنوایا ہے کہ جونہی کوئی اس پر قدم رکھتا ہے، سارے بلب جل اٹھتے ہیں، چور گھبرا جاتا ہے، گھبرا کر واپس مڑتا اور بھاگ جانا چاہتا ہے لیکن اسے تین آدمی نظر آتے ہیں جن میں سے دو کے ہاتھوں میں لاٹھیاں ہیں تو وہ اور بھی گڑبڑا جاتا ہے اور باہر کی بجائے اندر کی طرف دوڑا آتا ہے۔ ادھر بلب جلنے کے ساتھ ہی میرے سرہانے رکھا ہوا الارم بج اٹھتا ہے، لیکن اس الارم کی آواز صرف میرے کانوں میں آتی ہے، کوئی دوسرا اس کی آواز نہیں سن سکتا۔ تم میرے کان میں لگے ہوئے آلے کو دیکھ ہی رہے ہو۔ الارم کی آواز اس آلے کے ذریعے ہی میرے کان میں آتی ہے۔ چناں چہ میں اُٹھ جاتا ہوں اور چور کے استقبال کے لیے تیار ہو جاتا ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ چور کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس شہر کے کسی گھر میں اس قدر زبردست انتظام بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے سوچا: ''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ آدمی ضرورت سے کچھ زیادہ ہی دولت مند ہے۔''

ابھی وہ یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ مالک مکان پھر بولا:

''اب تم یہ سوچ رہے ہو گے کہ میں بہت دولت مند ہوں! ہاں یہ ٹھیک ہے۔ خدا نے مجھے بہت دولت دی ہے، لیکن اس نے اپنی مہربانی سے دولت دینے کے ساتھ ساتھ مجھے عقل کی دولت بھی دی ہے۔ میں نے اس عقل سے کام لے کر یہ سارا انتظام کیا ہے۔ یوں بھی میں خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہوں اور جو آدمی خدا کی راہ میں خرچ کرتا رہے، اس کی دولت کو چرایا نہیں جا سکتا۔ اب تم بتاؤ، میں تمھارے ساتھ کیا سلوک کروں؟''

وہ یہ کہہ کر چپ ہو گیا۔

''میں...... میں...... میں......'' چور بے چارا ہکلا کر رہ گیا۔ کہہ بھی کیا سکتا تھا۔ اس کا تو وہی حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

''خیر تم کیا کہو گے...... میں بتاتا ہوں...... سنو اگر تم زندگی بھر کے لیے چوری سے توبہ کر لو تو میں تمھیں چھوڑ بھی دوں گا اور تمھاری ضروریات کے لیے کچھ پیسے بھی دوں گا تا کہ تم کوئی چھوٹا موٹا کام کر کے اپنا گزارا کر سکو۔''

''ٹھیک ہے، اب میں کبھی چوری نہیں کروں گا، میں وعدہ کرتا ہوں۔''

''اور اگر تم نے پھر چوری کرنے کی کوشش کی تو......؟''

''تو آپ مجھے پولیس کے حوالے کر دیجیے گا۔'' چور نے خوش ہو کر کہا۔

''ٹھیک ہے، یاد رکھو، شہر میں کہیں بھی چوری نہ کرنا، ورنہ میں نے تمھیں دیکھ تو لیا ہی ہے، میرے آدمی تمھیں ڈھونڈ نکالیں گے۔''

''ٹھیک ہے جناب! آپ سے کوئی کام کرنے کے لیے جب رقم مل جائے گی تو پھر

چوری کرنے کی ضرورت ہی کیا رہ جائے گی؟''

''ٹھیک ہے۔ میں تمھیں ایک لاکھ روپے دیتا ہوں، تم اُن سے کوئی بھی کام شروع کر ڈالو، اللہ تعالیٰ مدد کرے گا۔''

یہ کہہ کر اس نے اپنے سرہانے کی دیوار میں لگی الماری کا دروازہ کھولا۔ الماری کو تالا نہیں لگا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس قدر شاندار انتظام کرنے والے کو تالا لگانے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ دروازہ کھولنے کے بعد اس نے ایک دراز کھینچی، اس میں سے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی اور چور کی طرف اچھال دی۔ چور نے آگے بڑھ کر اسے دبوچ لیا۔ اس وقت اس کی نظر دراز میں پڑی۔ اس میں نوٹوں کی گڈیوں کے علاوہ ہیرے جواہرات بھی رکھے تھے۔ اُن کی چمک سے اس کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔

''اگر پیسوں کی پھر ضرورت پڑ جائے تو تمھیں چوروں کی طرح آنے کی ضرورت نہیں، دن کی روشنی میں آجانا اور مجھے اپنے کام کی رپورٹ دینا، تمھاری ضرورت پوری کردی جائے گی۔''

''بہت بہت شکریہ جناب!'' چور نے خوش ہوکر کہا۔

''اب تم جاسکتے ہو۔ دیوار پھاندنے کی کوشش نہ کرنا، دروازہ کھول کر باہر نکل جانا۔''

''جی اچھا!''

یہ کہہ کر چور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کا دل خوشی سے بلیوں اچھل رہا تھا۔ مفت میں پانچ ہزار روپے مل گئے تھے۔ گھر سے باہر نکلتے ہوئے اُسے دراز میں رکھے جواہرات کا خیال آیا۔ اس نے سوچا۔ اب وہ اس گھر کے اندر سے واقف تو ہو ہی چکا ہے۔ آسانی سے ان جواہرات کو چرا سکتا ہے۔ اِس خیال کے آتے ہی وہ خوش ہوگیا پھر سوچا، اس نے تو پھر کبھی چوری نہ کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

''ہونہہ...... کیسا وعدہ......؟ میں ایک چور ہوں اور چوری کرنا میرا پیشہ ہے۔ میں چوری ضرور کروں اور اسی گھر میں کروں گا، اور میں دیکھ لوں گا، وہ کس قدر عقل مند ہے۔''

اس نے دل ہی دل میں کہا۔

دوسری رات کو وہ پھر دیوار پھاند کر مکان میں داخل ہوا۔ وہ جانتا تھا، جونہی وہ برآمدے میں قدم رکھے گا، تمام بلب جل اُٹھیں گے اور مالک مکان کے کان میں الارم بج اُٹھے گا، اس لیے اس نے برآمدے کا رخ نہ کیا بلکہ ایک چکر کاٹ کر مالک مکان کے کمرے کی پچھلی طرف آیا۔ یہاں کمرے میں کھڑکیاں موجود تھیں جن میں سلاخیں بھی نہیں تھیں۔ وہ ان کھڑکیوں کو پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔

کھڑکی پھلانگ کر اندر داخل ہونا بھلا کیا مشکل تھا۔ پھر وہ دبے پاؤں الماری کی طرف بڑھا اور ہینڈل پکڑ کر کھینچا، دروازہ کھلتا چلا گیا۔ الماری کے ساتھ ہی اندھیرے میں اُسے مالک مکان سوتا نظر آیا اور وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ کس قدر بے وقوف آدمی ہے۔ اپنے انتظام پر اتنا مغرور ہے کہ تالا لگانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتا اور نہ کھڑکیوں میں سلاخیں لگوائی ہیں۔

یہ سوچتے ہوئے اس نے دراز کھینچی اور اندھیرے میں ہی اس میں سے ہیرے جواہرات نکال کر جیبوں میں بھرنے لگا۔ جب دراز خالی ہوگئی تو وہ مڑا اور کھڑکی کے ذریعے باہر نکل آیا، اب اس کا رخ دروازے کی طرف تھا۔ پتھر کے تین انسان پہرے داروں کی طرح کھڑے تھے اور جن میں سے دو کے ہاتھ میں لاٹھیاں تھیں۔

اسے بھلا ان سے کیا ڈر ہوسکتا تھا۔ وہ تو پتھر کے بنے تھے۔ وہ بے خطر ان کے نیچے سے گزرنے لگا، لیکن اچانک اس کے منہ سے ایک بلند اور بھیانک چیخ نکلی، ان کی لاٹھیاں ایک ساتھ اس کے سر پر لگی تھیں، دوسرے ہی لمحے وہ بے ہوش ہوگیا تھا۔

اسے ہوش آیا تو وہ ایک چارپائی پر لیٹا تھا اور مالک مکان اس پر جھکا ہوا تھا۔ اسے ہوش میں آتے دیکھ کر اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا:

''کیوں بھئی؟ کیا ایک لاکھ روپے اتنی جلدی ختم ہوگئے؟ تم چوری سے باز نہ آئے، دراز میں ہیرے دیکھ کر تم بدنیت ہوگئے اور دوبارہ چوری کرنے یہاں آگئے، لیکن یہ بھول گئے کہ خدا نے مجھے دولت کے ساتھ عقل بھی عطا کی ہے۔ پتھر کے یہ انسان بھی حرکت کرسکتے ہیں، تم شاید سوچ ہی نہیں سکتے تھے لیکن...... میں تمھیں بتاتا ہوں کہ جب کوئی شخص ان کے نیچے سے گزرتا ہے تو دونوں لاٹھیاں اس کے سر پر پڑتی ہیں۔ کل یہ لاٹھیاں تمھارے سر پر اس لیے نہیں پڑی تھیں کہ میں نے ایک بٹن دبا دیا تھا۔ اس بٹن کے دبانے کے بعد یہ بت حرکت نہیں کرسکتے...... اور اب میں تمھیں پولیس کے حوالے کررہا ہوں۔''

''نہیں...... نہیں...... خدا کے لیے ایسا نہ کریں۔'' چور نے چلّا کر کہا۔

''کیوں نہ کروں۔ کل ہمارے درمیان کیا بات طے ہوئی تھی۔''

''ہاں ہوئی تھی، میں بہت برا ہوں، میں نے بڑی بھول کی ہے، لیکن آپ تو بہت مہربان آدمی ہیں۔ مجھے بس ایک آخری بار اور معاف کردیں، میں آئندہ زندگی بھر کبھی چوری نہیں کروں گا۔''

''نہیں دوست......! یہ نہیں ہوسکتا، سنو ایک حدیث ہے کہ مسلمان ایک ہی سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا، ایک بار ڈسا جاچکا ہوں، دوسری بار نہیں ڈسا جاؤں گا، تمھیں معاف کرنا لوگوں کے گھروں میں چوری کروانے کے برابر ہوگا سو اب تمھاری ایک نہیں سنوں گا۔''

یہ کہہ کر مالک مکان پولیس کو فون کرنے لگا۔

☆☆☆

کیا آپ جانتے ہیں؟

☆ اسپنج ایسا سمندری جانور ہے جس کے کان، ناک، ہاتھ، پاؤں، منہ اور ہڈیاں نہیں ہوتیں۔

☆ ہدہد پرندہ حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں خبر رسانی اور سراغ رسانی کا کام انجام دیا کرتا تھا۔

☆ تین درختوں آم، نارنگی اور چرونجی ایسے ہیں جن کے پتے سردیوں میں زرد ہوکر نہیں جھڑتے۔

☆ کنول کے پھول پانچ رنگوں (سرخ، گلابی، زرد، سفید اور نیلا) میں ملتے ہیں۔

☆ ویسٹ انڈیز وہ واحد ملک ہے جن کا کوئی دارلحکومت نہیں۔

☆ قطبی ستارہ (Polaris) ایسا ستارہ ہے جو کبھی سمت نہیں بدلتا۔

☆ دنیا کی پہلی مردم شماری امریکہ میں ۱۷۹۰ء میں ہوئی۔

☆ ملی موٹو (جاپانی) نے ۱۹۱۳ء میں سب سے پہلے مصنوعی موتی حاصل کرنے کا طریقہ دریافت کیا۔

انتخاب: سمیع اللہ خان۔ لاہور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

☆ کہانی 'کوٹھڑی کا بھوت' حیران کن تھی۔ 'گیارہویں سینچری کے جائزے' میں خطوط کی محفل میں اپنا اول نمبر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ حافظ صاحب کی تحریر 'قرآن میں ہے' ہنستے کھلکھلاتے ایک سبق دے گئی۔ 'اب بھی نہیں' تحریر موجود معاشرے کی عکاسی کر رہی تھی۔ 'کچھ غیر معمولی ریکارڈ' غیر معمولی مختصر تحریر تھی۔ اگلا صفحہ مختصر تحریروں سے سجا ہوا تھا۔ 'مطالعے کا ذوق' تحریر نے اپنے نام کا اثر دکھایا۔ 'دستک' میں اچانک بڑھتی قیمت کا پڑھ کر حیرت کا جھٹکا لگا اس طرح کے اچانک اضافے مشکل میں ڈال دیتے ہیں تبھی تو ہمارے ادارے کے تین چار بچوں نے شمارہ چھوڑ دیا ہے۔ خیر آپ کی بھی مجبوری اپنی جگہ درست ہے۔ 'عہد نبوی کا ایک بچہ' تاریخی اور سیرتی پہلو والی تھی۔ 'مخفی آنکھ' اصلاحی اور احساس جگاتی تحریر تھی۔ واقعی فرق صرف محسوس کرنے کا ہے۔ 'کڑوی گولی' بھی خوب تھی۔ 'دو باتیں سے دستک تک' دلچسپی اور چاشنی سے بھرپور تھی، بحمد اللہ ہمارے پاس 'دستک' والی کتاب پہنچ چکی ہے۔ 'پہاڑ اور گلہری' مزے دار رہی۔ 'آمنے سامنے' نے مزہ بھی کرایا اور کچھ مایوس بھی کیا۔ ہمارا خط غائب تھا ناں چلو کوئی بات نہیں، امید ہے ان شاء اللہ یہ خط غائب نہیں ہوگا۔ (مولانا محمد اشرف۔ حاصل پور)

ج: آپ نے اس تیقین کے ساتھ ان شاء اللہ تعالیٰ کہا تھا تو بھلا کیسے غائب ہوتا!؟

☆ شمارہ ۱۱۵۷ کا سرورق بہت ہی پرکشش لگا۔ سب سے پہلے تو چینی لوک کہانی 'بڑھیا کا شوربا' بہت دلچسپ لگی۔ پھر صبیحہ عماد کے قلم سے 'غبارے اور کھیرے کے پھول' بہت پراثر تحریر رہی۔ 'ایک خوبصورت کردار' پڑھ کر بے اختیار اشتیاق احمد یاد آ گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے در پر حاضری نصیب کرے۔ آمین

(فاطمہ ضیاء۔ القریش کالونی، ملتان)

ج: آمین ثم آمین!

☆ شمارہ ۱۱۵۷ بہت دلچسپ تھا۔ 'مختصر پراثر' کا سلسلہ ماشاء اللہ اب ہر شمارے میں شائع ہوتا ہے۔ 'بڑھیا کا شوربا' ایک اچھی کہانی تھی۔ 'میر حجاز' کا سلسلہ بہت دلچسپ جا رہا ہے۔ 'غبارے اور کھیرے کے پھول' ایک پراثر کہانی تھی۔ 'رب نے در پہ بلا لیا' ایک دلچسپ سفرنامہ تھا۔ یہ میرا بچوں کا اسلام میں پہلا خط ہے، ضرور شائع کیجیے گا۔ (محمد معاذ۔ القریش کالونی، ملتان)

ج: شائع کر دیا مگر اتنا عرصہ ہو گیا، دوسرا خط کہاں ہے؟

☆ میں بچوں کا اسلام کی خاموش قاریہ ہوں۔ جب بچوں کا اسلام کا پہلا شمارہ آیا تب میری عمر چودہ برس تھی اور اب خط لکھنے کی ہمت کی ہے جبکہ میری بچی چودہ برس کی ہونے والی ہے۔ میں ثانویہ عامہ کی طالبہ تھی جب میری ہم جماعت نے بچوں کا اسلام سے متعارف کروایا۔ اس دن سے میری دوستی کی ابتدا ہوئی اس سلسلے میں میرے ابو جان نے بہت تعاون کیا اور ہمارے گھر میں بچوں کا اسلام، خواتین کا اسلام، بناتِ عائشہ اور حیا مستقل آنے لگے پھر تو حالت یہ ہو گئی کہ دنوں کی بجائے گھنٹوں کا بھی انتظار کیا جاتا اور رسالہ پڑھ کر دل کو قرار آتا پھر جب میری شادی ہو گئی تو بھی میرے ابو رسالہ میرے سسرال تک لے کر آتے کہ میری بیٹی انتظار میں ہو گی یہ رسالے میری روح کا حصہ بن چکے ہیں۔ سارا دن جتنی بھی مصروفیت رہے جب تک رسالہ مل نہ جائے سکون نہیں ملتا۔ میرے پیارے ابو اس دنیا میں نہیں رہے، قارئین سے دعاؤں کی درخواست ہے۔ اللہ رب العزت میرے ابو کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین! (بنت عبدالغفار۔ بہاول پور)

ج: ماشاء اللہ، بچوں کا اسلام کے پرانے بچے اب بچوں کے اماں ابا ہو گئے ہیں اور اب اپنے بچوں کو بچوں کا اسلام متعارف کروا رہے ہیں۔ بڑی خوشی کی بات ہے۔ آپ کے ابو جان کے لیے دل سے دعا ہے کہ اللہ رب العزت ان کی قبر کو نور سے بھر دے، آمین!

☆ سب سے پہلے سرورق کہانی 'سزا' نکال کر پڑھی۔ بہت زبردست تھی۔ اس کے بعد 'میر حجاز' پڑھی۔ اشتیاق احمد مرحوم کی یاد آ گئی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی قبر کو تا حدِ نگاہ وسیع کرے۔ آمین، اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ 'پر کا کوا بن گیا' اور 'سر پر رکھ دے' دونوں ہنستی مسکراتی تحریریں تھیں۔ 'وہ بچہ کہاں گیا' پڑھ کر ہم میں پورا اسلام کرنے کا ارادہ کر لیا۔ 'پپیتا جی کا وقار' میں پپیتا اپنے فوائد بتا رہا تھا۔ 'جہالت' پڑھ کر ہنسی آ گئی۔ آمنے سامنے کے سبھی خطوط اچھے تھے۔ اس میں چار خطوط نئی قاریات کے تھے۔ (بنت ملک عابد ثانیہ۔ گڑھا موڑ)

ج: آپ اپنا بتائیے نئی قاریہ ہیں یا پرانی ہو گئیں؟

☆ دستک میں فلسطین کے موضوع پر مدیر چاچو نے بحث کی۔ اللہ تعالیٰ فلسطین کے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائے۔ بچوں کا اسلام کے ہر دل عزیز لکھاری حافظ عبدالرزاق صاحب آئے اور چھا گئے۔ 'فیصلہ' پڑھ کر مزہ آیا۔ عائشہ تنویر صاحبہ کی کہانی کچرا گھر میں گو ہر کو اپنے کیے کی بھرپور سزا ملی لیکن یہ بات سمجھ نہیں آئی ساتھ میں سمیر کو کیوں رگڑا لگا؟ پوچھنا یہ تھا کہ بچوں کا اسلام میں ایک سلسلہ شروع ہوا تھا ماموں سے پوچھیے وہ کیوں بند ہو گیا ہے؟ (سعید الرحمن بن نذیر خان۔ راولپنڈی)

ج: بند تو نہیں ہوا، بس جاری نہ رکھ سکے بوجوہ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ شروع کرتے ہیں جلد ہی دوبارہ۔ آپ ایسا کیجیے کوئی سوال لکھ کر بھیجیے تاکہ ہمیں پھر سے تحریک ہو۔

☆ القرآن والحدیث سے دل کو سیراب کرتے ہوئے آگے بڑھتے تو حمد باری تعالیٰ میں اللہ اللہ کا ذکر پڑھنے کو ملا۔ صلح میں پہل کرنے والا جنت میں پہلے جائے گا۔ ابو احمد کے قلم سے بہترین تحریر تھی میں بھی اپنی کلاس کے بچوں کو یہ تحریر پڑھ کر سناؤں گی اور خود بھی عمل کروں گی نئی ایجادات حیران کن تحریر تھی۔ سائنس کہتی ہے وہ وقت بھی آئے گا کھانا کھانے کے بغیر آدمی زندہ رہے گا۔ ہر جگہ فیکٹریاں اور مکانات ہوں گے۔ فصلیں کم ہوں گی اور غذائی کیپسول ہوں گے صبح کھانے کے بعد کسی اور چیز کی طلب نہ ہوگی۔ شام کو پھر کھا لیے جائیں گے۔ اس طرح روٹی کا نام و نشان ختم ہو جائے گا۔ باقی شمارہ زبردست تھا 'آمنے سامنے' کی کمی تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پڑوسی بنائے۔ آمین۔ (منیبہ جاوید۔ احمد آباد، اٹھارہ ہزاری، جھنگ)

ج: سائنس تو بہت کچھ کہتی ہے لیکن لازم نہیں کہ وہ سب کچھ ہو بھی جائے۔ ویسے یہ سائنس نے کبھی نہیں کہا کہ بغیر کھائے پیے انسان زندہ رہے گا۔

☆ 'دستک' میں ہمیشہ کی طرح آپ نے معاشرتی برائیوں میں سے ایک کی بابت بات کی تھی۔ 'میں اور بچوں کا اسلام' سے معلوم ہوتا ہے کہ بچوں کا اسلام بچوں کی نہ صرف غیر نصابی مطالعے کی ضرورت کو پورا کر رہا ہے بلکہ انھیں تفریح بھی میسر کر رہا ہے۔ 'جواہرات سے قیمتی' پند آموز تھے۔ 'شرارتی جوتے' میں نے پہلے بھی پڑھی ہوئی ہے۔ لیکن اس بار پڑھنے کا بھی مزہ آیا۔ 'الفاظ کا انعام' اچھی تحریر تھی۔ 'میر حجاز' پڑھنے کا اب وہ مزہ نہیں آتا جو کچھ شمارے پہلے آتا تھا البتہ اس سے حاصل ہونے والے دروس میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ 'میں کھو جی ہوں' بس پس منظر ہی اچھا لگا۔ 'کیا، کیوں، کیسے' شاید پانی یا شاید درجۂ حرارت بلکہ نہیں موسم کے حوالے سے کوئی تحریر تھی۔ 'ذہانت' میں بلند مرتبہ شخصیتوں کی ذہانت کا تذکرہ تھا۔ واقعی ذہانت بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ 'ان سا پیارا اور نہ کوئی' اچھی نعت تھی۔ 'شورکوٹ' سے معلومات میں اضافہ ہوا۔ 'منواؤ تو مانیں' کے مصنف کا نام پڑھتے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کس طرح کی تحریر ہو گی۔ 'آسان علم دین کورس' بہت ہی عمدہ سلسلہ ہے اسی لگاتے رہا کریں۔ آج کل 'مختصر پراثر' گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہے۔ 'آمنے سامنے' کے سارے خطوط اور جوابات پڑھ کر مزہ آیا ہے۔ مجھے بھی شریکِ محفل کر لیا کریں۔ (محمد جنید عامر۔ کراچی)

ج: آسان علم دین کورس کی اقساط محمد اسامہ سرسری بھائی نے جتنی لکھیں ہم نے شائع کر دیں۔ اب وہ بھی سست پڑ گئے ہیں، ہم ذرا انھیں جھنجھوڑتے ہیں۔

☆☆☆

بکھری یادیں

مفتی آصف محمود قاسمی

لاہور میں منعقد ایک گرما گرم مجلس کے اختتام پر موٹر سائیکل پر سوار گھر کی اَور جاتے ہوئے اشتیاق احمد صاحب نے میرے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا:

''مولوی آصف! اس شخص کے لہجے کی رعونت اور بے بنیاد الزامات سے دل دُکھا، دیکھو یار! ہماری مہربانی سے جس شخص کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہوا، آج ہمیں ہی باتیں سنا رہا ہے، یعنی ہماری بلی اور ہمیں ہی میاؤں......! اب بچوں کا اسلام میں اس کا کہیں نام ونشان دکھائی دے جائے تو کہنا، اس کو مدیر کے انتقام کا اندازہ نہیں۔''

اس وقت آپ کے جذبات اور جلال کا پارہ خطرناک حد کو چھور ہا تھا، اور آپ کے منحنی سے وجود کی بے کلی مجھے خوفزدہ کر رہی تھی۔ اس لیے جی، جی بالکل جی کے سوا کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

دل میں خیال گزرا کہ یہ صاحب تو آسمانِ شہرت کی بلندیوں سے اپنی ہی بے وقوفیوں سے قعرِ گمنامی میں جا گرے۔

مگر کچھ ہی عرصے بعد دیکھا کہ وہی صاحب پوری آب وتاب کے ساتھ رسالے میں موجود ہیں تو میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

فوراً اشتیاق احمد صاحب سے رابطہ کیا کہ آپ تو کہہ رہے تھے کہ اس کا نام ونشان دکھائی نہیں دے گا۔ وہ تو پورے تین صفحات پر براجمان ہیں۔

کہنے لگے: ''تب تو میں غصے میں تھا اور میں غصے میں کیے جانے والے فیصلوں پر میں کبھی عمل نہیں کرتا، کیونکہ وہ شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔''

اشتیاق احمد صاحب نے ایسے اطمینان سے جواب دیا جیسے کبھی وہ اس شخص سے ناراض ہوئے ہی نہ تھے۔

اور یہ ایک واقعہ نہیں ایسے متعدد واقعات کا میں گواہ ہوں۔

''ایک بار کہنے لگے کہ مولوی صاحب! اس بار منتظم صاحب نے یہ کیا کھچ مار دی ہے......؟ انھوں نے ادیبوں کی چوپال میں ایسے لوگوں کو بھی مدعو کر رکھا ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کو معصوم نہیں مانتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو محفوظ و معیارِ حق نہیں مانتے۔

میں نے عرض کیا کہ میں مکانی قرب کے باوجود ان (منتظم صاحب) سے دور ہوں اور دوسرے لوگ دور رہائش کے باوجود ان کے قریب ہیں، تو اُن کی مشاورت یہ گل تو کھلائے گی۔

کہنے لگے: ''مولوی صاحب! آپ تو جانتے ہیں کہ ان لوگوں کے ساتھ مل بیٹھنے کا مطلب ان کے جملہ عقائد کی تائید وتوثیق ہے لہٰذا میں تو نہیں آرہا۔''

میں نے عرض کیا: ''بلاشبہ بات ایسے ہی ہے، مگر آپ کی آمد از حد ضروری ہے، وگرنہ باراتی بھی وہ خود ہوں گے دولھا بھی اُن کا ہوگا، ہمارے گھر آ کر ہمارے ہی سینے پر مونگ دل جائیں گے۔''

''اچھا کچھ سوچتا ہوں۔'' کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔

چند دن بعد پھر رابطہ کیا۔ لہجے کی شوخی سے اندازہ ہو گیا کہ کوئی حل نکال لیا ہے۔ فرمانے لگے: ''ضرور آؤں گا اور اپنی گفتگو کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے محفوظ اور معیارِ حق ہونے کو بیان کروں گا تاکہ ان سے برأت بھی ہو جائے اور ان کو دعوتِ فکر بھی۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا جب آپ سے اظہارِ خیال کی درخواست کی گئی تو آپ نے اپنی گفتگو کا اختتام ان الفاظ پر کیا: ''صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو معیارِ حق علماء نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں قرار دیا ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ

(البقرہ، آیت نمبر: ۱۳)

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا (البقرہ: ۱۳۷)

اسی وجہ سے علماء کرام نے اسے عقائد میں شمار کیا ہے، لہٰذا معیاریت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا انکار سوائے جہالت کے کچھ نہیں، اور ہمارا ایسے لوگوں سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ کہتے ہوئے آپ نے خطیبانہ انداز میں سامنے موجود میز پر زوردار مکہ مارا۔ بس جی اپنوں کے چہرے خوشی سے تمتما اٹھے اور ''یار لوگ'' بغلیں جھانکنے لگے۔

ایک بار میں نے اشتیاق احمد صاحب سے عرض کیا:

''لکھاری کے بنیادی اوصاف پر تو روشنی ڈالیے۔''

فرمانے لگے: ''لکھاری میں بنیادی طور پر دو اوصاف کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اول اس کا بیدار مغز، ہوشیار اور حساس ہونا ضروری ہے تاکہ معاشرے کی اچھائیوں اور برائیوں کا اسے ادراک ہو سکے۔''

پھر بطورِ مثال اپنے چند واقعات سنائے:

''جب میں ادارہ جامعۃ الرشید کی طرف سے عمرے پر گیا تو میں نے اپنے مدنی میزبان کو دیکھا کہ وہ مجلس میں مروتاً مسکراتے تو ہیں مگر اُن کی مسکراہٹ میں خوش خرامی نہیں ہے۔''

میرے استفسار پر وہ بتلانے لگے کہ جس کا جواں سال بیٹا سات سال سے لاپتا ہو، اس کی مسکراہٹ میں جان کہاں ہوگی؟

یعنی میرا اندازہ سو فیصد درست نکلا۔

اسی طرح میں نے اخبار میں ایک چھوٹی سی خبر پڑھی کہ ایک مزارع اپنے چوہدری کے کردہ جرم میں پچیس سال قید کاٹ رہا ہے۔

اس خبر نے میرے دماغ میں ایسی کھلبلی مچائی کہ جب تک اس ظلم پر ناول نہیں لکھ لیا تب تک چین نہیں آیا۔

دوم لکھاری کے لیے بہترین ادب کا مطالعہ اور وہ بھی کثرت کے ساتھ بہت ضروری ہے حساس مزاج اور وسعتِ مطالعہ کے حامل شخص کی تحریر شاندار بھی ہوتی ہے اور جاندار بھی......!

☆☆☆